خواتین کا ترجمان

ماہنامہ لکھنؤ

رضوان

خصوصی اشاعت بیاد مرشد الامت

حضرت مولانا سیّد محمّد رابع حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

Rs. 30

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کی مقبول معروف کتابیں

کاروانِ زندگی

ایک معلم، مصنف، مورخ، داعی اور رہنما کی سرگذشت حیات

جس میں ذاتی زندگی کے مشاہدات وتجربات، احساسات وتأثرات اور ہندوستان اور عالم اسلام کے واقعات وحوادث وتحریکات وشخصیات کے مطالعہ کا ماحصل اس طرح گھل مل گیا ہے کہ وہ ایک دلچسپ و سبق آموز آپ بیتی اور ایک مورخانہ وحقیقت پسند جگ بیتی بن گئی ہے اور چودھویں صدی ہجری، بیسویں صدی عیسوی کی تاریخ وسرگذشت کا ایک اہم باب محفوظ ہوگیا۔

☆ ایک تاریخی دستاویز۔ ☆ ادبی مرقع۔ ☆ دعوت فکر وعمل۔

(فوٹو آفسیٹ کی بہترین کتابت وطباعت سے آراستہ)

قیمت کاروان زندگی حصہ اول	260
قیمت کاروان زندگی حصہ دوم	350
قیمت کاروان زندگی حصہ سوم	220
قیمت کاروان زندگی حصہ چہارم	350
قیمت کاروان زندگی حصہ پنجم	200
قیمت کاروان زندگی حصہ ششم	240
قیمت کاروان زندگی حصہ ہفتم (مع ضمیمہ)	275
قیمت کاروان زندگی مکمل سیٹ	1895

خواتین اور دین کی خدمت

مسلم خواتین کی کیا ذمہ داریاں ہیں، ان کے دینی وسماجی فرائض کیا ہیں وہ کس طرح دین کی خدمت کرسکتی ہیں، آخر میں مولاناؒ کی والدہ ماجدہ کے وہ تربیتی خطوط ہیں جو انھوں نے مولاناؒ کے نام ان کی تعلیم کے دوران لکھے تھے۔

قیمت Rs. 100

ذکر خیر

حضرت مولانا کی والدہ ماجدہؒ کے حالات زندگی خود حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے قلم سے۔

قیمت Rs. 80

دو ہفتے ترکی میں

ترکی کا سفرنامہ اور حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کا شگفتہ ودلآویز طرز بیان۔

قیمت Rs. 30

کاروان ایمان وعزیمت

قافلۂ مجاہدین یعنی حضرت سید احمد شہیدؒ قدس سرہٗ کی تحریک اصلاح وجہاد سے تعلق رکھنے والے اصحاب علم وفضل وعزیمت کا تذکرہ جس سے مسلمانوں کی تاریخ دعوت وعزیمت کا ایک روشن باب سامنے نظر آتا ہے۔

(خوبصوت کتابت وطباعت)

قیمت: Rs. 150

سوانح حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ

عہد حاضر کی مشہور دینی شخصیت اور عارف باللہ حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ کے حالات زندگی، ان کی شخصیت، ان کی نمایاں صفات، انداز تربیت، توازن وجامعیت، تعلق مع اللہ، خلوص و محبت، فیض وتاثیر اور معرفت وسلوک کا ایمان افروز تذکرہ۔

قیمت Rs. 300

مکتبہ اسلام، رؤف مارکیٹ، گوئن روڈ، لکھنؤ ۱۸ Mobile: 9453949221

وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ أَكْبَرُ

مرشد الامت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی
حضرت مولانا محمد حمزہ حسنی ندوی

ماہنامہ رضوان لکھنؤ

خواتین کا ترجمان

جولائی ۲۳ء- جنوری ۲۴ء
Jul23-Jan24

بانی
حضرت مولانا سید محمد ثانی حسنی رحمۃ اللہ علیہ
مجاز بیعت حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ

جلد نمبر ۶۷ — شمارہ نمبر ۷-۱

ایڈیٹر
سید رشید احمد حسنی ندوی
Mobile : 9794498983

مجلس مشاورت
- میمونہ حسنی
- جعفر مسعود حسنی
- مسعود حسن حسنی
- عائشہ حسن حسنی

مجلس ادارت
- شمامہ حسن حسنی
- منصور حسن حسنی
- خلیل احمد حسنی
- سعید احمد حسنی

سالانہ زرتعاون

برائے ہندوستان	:	۳۰۰/روپے
غیر ملکی ہوائی ڈاک	:	۴۰/امریکی ڈالر
فی شمارہ	:	۳۰/روپے
لائف ٹائم خریداری	:	۸۰۰۰/روپے

نوٹ

خط و کتابت کرتے وقت اپنا خریداری نمبر اور مکمل صاف پتہ ضرور لکھیں، اگر مدت خریداری کے ختم ہونے کے وقت کی پرچی پتہ کی چٹ پر لگی ہو تو براہ کرم مدت خریداری ختم ہوتے ہی رقم ارسال فرمائیں۔ (منیجر)

قارئین رضوان سے گذارش ہے وہ اپنا سالانہ چندہ مندرجہ ذیل اکاؤنٹ میں جمع کر سکتے ہیں۔

Bombay Mercantile Co-operative Bank, Lucknow-18
Name of Account "RIZWAN MONTHLY", Account No. : 205110100005299
IFSC Code : BMCB0000049

ڈرافٹ پیئر RIZWAN MONTHLY لکھیئے

زر تعاون اور خط و کتابت کا پتہ

ماہنامہ رضوان
۱۷۲/۵۴، محمد علی لین گوئن روڈ لکھنؤ
پن کوڈ: ۲۲۶۰۱۸

Rizwan (Monthly)
172/54, Mohammad Ali Lane
Gwynne Road Lucknow
Pin:226018- Mobile: 9415911511, 9794498983

ایڈیٹر، پرنٹر، پبلشر محمد حمزہ حسنی نے مولانا محمد ثانی حسنی فاؤنڈیشن کے لیے کاکوری آفسیٹ پریس میں چھپوا کر دفتر رضوان محمد علی لین سے شائع کیا

website: rizwanmagazine.in

فہرست مضامین

اپنی بہنوں سے ..... سعید احمد حسنی 5

برکۃ العصر کی رحلت ..... حضرت مولانا بلال عبدالحی حسنی ندوی 8

عم محترم حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندویؒ .. حضرت مولانا جعفر مسعود حسنی ندوی 14

نہ ستائش کی تمنا نہ صلہ کی پرواہ ..... مسعود حسن حسنی ندوی 19

چچا میاں کی دل آویز شخصیت ..... محمد مکی حسنی ندوی 24

محبوب ترین شخصیت ..... منصور حسن حسنی ندوی 26

ابا اپنی انفرادی خصوصیات کے آئینے میں ..... خلیل احمد حسنی ندوی 28

میرے پیارے ابا-یادوں کے آئینہ میں ..... رشید احمد حسنی ندوی 36

اپنی بہنوں سے

اداریہ

مرشدالامت حضرت مولانا سید محمد رابع الحسنی ندوی جن کو اب رحمۃ اللہ علیہ کہنا پڑ رہا ہے ایسی عظیم وعبقری بشری شخصیت جن پر امت محمدیہ کا اجماع تھا جو دین کے روشن ستارہ کی مانند تھے جن سے علم وعمل کی کرنیں لوگوں کے دلوں کو منور کر رہی تھیں آج وہ عظیم شخصیت نہ رہی ان کو رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہوئے دل مغموم ہوتا ہے اور یقین کرنا مشکل ہوتا ہے کہ حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ اب ہمارے درمیان نہیں ہیں اب صرف ان کی یادیں ہیں، ان کے تذکرے ہیں ان کی محبتیں والفتیں ہی باقی رہ گئیں ہیں، وہ چلے گئے لیکن ہم کو علم وعمل محبت واخلاق سمندر دے گئے، وہ ایک ایسی خاندانی شخصیت تھے جو خاندانی روایات کے امین تھے، ان کا رخصت ہونا صرف خاندان ہی نہیں بلکہ پوری ملت کا نقصان عظیم ہے جن کا بدل شاید خاندان میں ملنا ممکن نہ ہو، کیوں کہ ان کی ہر بات میں ایک سبق ہوتا تھا، تربیت ہوتی تھی، چاہے چھوٹا چاہے بڑا سب کو اسی کے مطابق سمجھاتے تھے، میں نے بعض جگہ یہاں تک دیکھا کہ اور محسوس کیا کہ وہ دین کے خلاف کوئی بھی قول وعمل برداشت نہیں کرتے، چاہے وہ بچہ ہی کیوں نہ ہو، اس کو سمجھاتے، اس کو برا محسوس کراتے، تاکہ وہ کل بڑا ہو کر ایسی عمل نہ کرے جس سے پشیمانی ہو اور تربیت میں کمی رہے۔

وہ جیسے گھر والوں کی تربیت کی ذمہ داری محسوس کرتے تھے، ویسے ہی پوری قوم کی تربیت کی بھی فکر میں رہتے، کوئی بھی ملنے آجاتا تو اس سے ایسے تعلق سے اور مسکراتے ہوئے ملتے کہ وہ فدا ہو جاتا اور اس کو اپنا گھر جیسا محسوس ہوتا، اس کو یہ محسوس ہوتا کہ وہ اپنے گھر میں یا گھر والوں کے بیچ میں ہی ہے، اس کے بعد وہ شخص دعا حضرت سے دعا کے لیے کہتا تو حضرت کہتے ان شاء اللہ ہم ضرور دعا کریں گے، آپ بھی ہمارے لیے دعا کریں، دعاؤں کی ضرورت تو ہم سب کو ہے۔ اتنی عظیم شخصیت ہمیں پیغام دے رہی ہے کہ انسانی اخلاق کا تقاضہ کیا ہے؟ لوگوں سے کیسا برتاؤ کرا جائے؟ کیسے ان دلوں کو مسخر کیا جائے؟ لوگوں سے ملنا، ان کے غموں کی دلجوئی کرنا، ان کے مسائل کو حل کرنا، ان کو اچھی تجاویز دینا، تاکہ ان کی پریشانی دور ہو، یہ ان کے تعلق محبت کی ہی بات تھی، اسی لیے لوگوں کو بالخصوص نوجوانوں کو ان سے بہت تعلق ومحبت تھی، بعض نوجوان ملنے آتے اگر حضرت آرام کر رہے ہوتے یا طبیعت ناساز ہوتی تو دور سے دیکھ کر چلے جاتے، ہم نے ایک دو بار ان کی محبت وتعلق کو دیکھ کر کہا بھی کہ مل لیں تو انہوں نے کہا کہ دیکھنا مقصود تھا، ملنے سے آرام میں خلل واقع ہوگا اور ہم حضرت کے آرام میں مخل ہوں یہ گستاخی نہیں کر سکتے، ہم نے دیکھ لیا ہے ہم مطمئن ہیں تو ایسا تعلق صرف اولیاء اللہ سے ہی ہوسکتا ہے اور یہ محبت وتعلق صرف اللہ اپنے بندوں کے دلوں میں ڈالتا ہے، کیوں کہ جو لوگ اللہ کے لیے جیتے ہیں، اللہ کے لیے مرتے ہیں انہی کے لیے بشارتیں ہیں۔

جہاں تک بات ہے میری تو میں ان کو ابا کہتا تھا کیوں کہ وہ میرے دادا اور نانا دونوں کے مقام تھے، انہوں کئی بار ہم سے کہا کہ تم کبھی دادا اور نانا میں فرق نہ کرنا، ہم تمہارے دادا بھی ہیں نانا بھی ہیں، وہ اس لیے بھی کہتے تھے کیوں کہ میرے دادا مولانا محمد ثانی حسنی رحمۃ اللہ علیہ اس دنیا سے اس وقت رخصت ہوئے جب ہم دونوں بھائی رشید احمد حسنی اور میں پیدا نہیں ہوئے تھے، تو ابا کو ہم لوگ بھی نانا سے زیادہ دادا ہی سمجھتے تھے، اسی لیے ابا ہم لوگوں کو بھی اسی درجے میں مطلب پوتا ہی سمجھتے تھے اور بے پناہ فکر میں رہتے اور ہر موقع پر تربیت کرتے، جب بھی کوئی غلطی ہوتی

تو تنبیہ کرتے بلکہ ڈانٹتے بھی، یہ چیز ایسی تھی جو کسی کے ساتھ نہیں تھی، کیوں کہ ابا کا مزاج ایسا تھا کہ کسی کو ڈانٹنا تو دور کی بات بلکہ کبھی سخت لہجے میں بات تک نہیں کی، اگر ہم کو ڈانٹا تو رشتہ ہونے کی وجہ سے، کتنی ہی بار ہم نے ان سے رمضان میں دعاؤں کے لیے کہا تو فرماتے کہ تم کو تو کہنے کی ضرورت ہی نہیں ہے، تم لوگوں کے لیے دعا نہیں کروں گا تو کس کے لیے کروں گا، تم لوگ ہمیشہ یاد رہتے ہو۔ ذرا غور کریں بھلے ہی وہ نانا ہوں دادا ہوں، لیکن تھے تو امت کا سرمایہ جن پر امت کی ذمہ داری تھی، جس میں آدمی کو سوچنے کی فرصت نہ ہو، اس میں بھی خاندان کی تربیت کی فکر رہتی اور سب کے حالات سے واقفیت رکھتے اور خاندانی رشتوں کا احترام دل میں ہوتا پھر امت کی بھی فکر ہوتی، یہ امت سے محبت خاندانی رشتوں سے تعلق کی ہی بات تھی کہ ان کی شفقت سب کے لیے نمایاں تھی، اسی لیے عوام وخواص میں مقبول تھے، ہر طبقے کا شخص اور ہر عمر کا شخص ان پر فدا تھا اور حضرت بھی ان کو محبت و شفقت سے نوازتے رہے اور ان کے کام آتے رہے، ان کی رہنمائی کرتے رہے، کوئی شخص چاہے چھوٹا ہو یا بڑا، جب اس کو موقع ملتا تو حضرت سے مشورہ لیتا، حضرت بھی اس کو اس کی عمر کے مطابق ہی اپنی رائے پیش کرتے اور ویسے ہی پیش آتے جیسے کوئی اہم شخصیت مشورہ طلب کر رہی ہو لیکن کبھی یہ نہیں دیکھا کہ مشورہ دینے کے بعد یہ خواہش ظاہر کی ہو کہ مشورہ طلب کرنے والا حضرت کی رائے پر عمل بھی کرے، یہ بہت بڑی بات ہوتی ہے کہ کسی اہم شخصیت سے مشورہ مانگا جائے اور مشورہ ملنے کے بعد اس کو نہ مانا جائے، اکثر ایسا ہوتا ہے کہ مشورہ دینے والے کو برا محسوس ہوتا ہے، جب کہ حضرت برا ماننا تو چھوڑیے برا محسوس بھی نہیں کرتے اور نہ کبھی اس پر گفتگو کرتے کہ دیکھو آتے ہیں مشورہ مانگتے ہیں، مشورہ دو تو مانتے نہیں اپنی کرتے ہیں۔

وہ جیسے گھر والوں کی تربیت کی ذمہ داری محسوس کرتے تھے، ویسے ہی پوری قوم کی تربیت کی بھی فکر میں رہتے، کوئی بھی ملنے آجاتا تو اس سے ایسے تعلق سے اور مسکراتے ہوئے ملتے کہ وہ فدا ہو جاتا اور اس کو اپنا گھر جیسا محسوس ہوتا، اس کو یہ محسوس ہوتا کہ وہ اپنے گھر میں یا گھر والوں کے بیچ میں ہی ہے، اس کے بعد وہ شخص دعا حضرت سے دعا کے لیے کہتا تو حضرت کہتے ان شاء اللہ ہم ضرور دعا کریں گے، آپ بھی ہمارے لیے دعا کریں، دعاؤں کی ضرورت تو ہم سب کو ہے۔ اتنی عظیم شخصیت ہمیں پیغام دے رہی ہے کہ انسانی اخلاق کا تقاضہ کیا ہے؟ لوگوں سے کیسا برتاؤ کرا جائے؟ کیسے ان دلوں کو مسخر کیا جائے؟ لوگوں سے ملنا، ان کے غموں کی دلجوئی کرنا، ان کے مسائل کو حل کرنا، ان کو اچھی تجاویز دینا، تاکہ ان کی پریشانی دور ہو، یہ ان کے تعلق و محبت کی ہی بات تھی، اسی لیے لوگوں کو بالخصوص نوجوانوں کو ان سے بہت تعلق و محبت تھی، بعض نوجوان ملنے آتے اگر حضرت آرام کر رہے ہوتے یا طبیعت ناساز ہوتی تو دور سے دیکھ کر چلے جاتے، ہم نے ایک دو بار ان کی محبت و تعلق کو دیکھ کر کہا بھی کہ مل لیں تو انہوں نے کہا کہ دیکھنا مقصود تھا، ملنے سے آرام میں خلل واقع ہوگا اور ہم حضرت کے آرام میں مخل ہوں یہ گستاخی نہیں کر سکتے، ہم نے دیکھ لیا ہے ہم مطمئن ہیں تو ایسا تعلق صرف اولیاء اللہ سے ہی ہو سکتا ہے اور یہ محبت و تعلق صرف اللہ اپنے بندوں کے دلوں میں ڈالتا ہے، کیوں کہ جو لوگ اللہ کے لیے جیتے ہیں، اللہ کے لیے مرتے ہیں انہی کے لیے بشارتیں ہیں۔

مجھے یاد ہے کہ حضرت جب ہر ہفتہ جمعرات کو رائے بریلی تشریف لاتے تو ہم سب بھاگ کر گاڑی آنے سے پہلے ہی باہر آجاتے، تاکہ ان سے سب سے پہلے مل سکیں، ان کے ہر نواسے کی خواہش ہوتی کہ پہلے وہ ملے، جو پہلے نکلتا وہ گاڑی کے دروازے پر کھڑا ہو جاتا اور جو دروازہ کھولتا وہی پہلے مل پاتا، مجھے یہ بھی یاد ہے جب ملاقات ہوتی تو چھوٹے ابا اور ابا ہم لوگوں کو دیکھتے ہی مسکراتے اور وہی مسکراہٹ ہم سب کی روح کو تازگی بخشتی، ہم لوگ اصرار کرتے کہ گھر چلئے، چھوٹے

ابا تو گاڑی سے اتر کر گھر روانہ ہوتے لیکن ابا مہمان خانہ جاتے، کیوں کہ مہمان بھی ہوتے، پھر تھوڑا آرام اور کھانے کے بعد مغرب کے بعد گھر آتے تو سارے لوگ جمع ہو جاتے، جیسے ہم نے اپنے بچپن میں ابا جان کو دیکھا تھا، اسی طرح جب وہ گھر آتے تو تمام رشتہ دار آکر ملتے اور ان کی مجلس میں بیٹھتے، اسی طرح ابا آتے تو سب آجاتے اور مجلس لگتی، خاندان کے بزرگوں کے تعلق سے مختلف معلومات بتاتے، لیکن چھوٹے ابا کے بعد ابا جب بھی لکھنؤ سے آتے تو گاڑی سے اترتے ہی گھر چلے جاتے اور ہم سب خدمت میں لگ جاتے، کیوں کہ وہ بزرگ ہستی تو تھے لیکن ہم لوگوں کے لیے نانا بھی تھے، اسی نسبت سے ابا ہم لوگوں سے بہت محبت کرتے اور ہر وقت فکر میں رہتے کہ کیسے ان بچوں کی تربیت ہو کہ کوئی کمی نہ رہ جائے، اکثر ابا جان جن کو ابا ماموں جی کہتے تھے تذکرہ کرتے اور ان کی باتیں سنا کر نصیحت کرتے، ان سے اپنے تعلق کے بارے میں بتاتے اور دین سے جڑنے کی اہمیت سمجھاتے، نیت میں اخلاص کا ہونا کتنا ضروری ہے تاکہ دین کے کام میں آسانی ہو اور دین کے کام سے محبت ہو۔

ابھی حال ہی میں انتقال سے ایک ہفتہ پہلے گھر کے لوگ (ان کی بیٹیاں اور نواسے نواسی) تھے، میں نے ابا سے کہا: ابا ہم سب کو بہت چاہتے ہیں تو یہ سن ابا مسکرائے اور فرمایا: یہ بھی کوئی کہنے کی بات ہے، تم سب میرے گھر کے میرے نواسے ہو، تم سے زیادہ میں تم لوگوں کو چاہتا ہوں، کتنی محبت سے کہا، یہ جس کے لیے کہا وہ سمجھ سکتا ہے، ایسی محبت کہاں ملے گی؟ محبت دینے والے رخصت ہو گئے، اب صرف ان کی یادیں ہیں، احساسات ہیں جو باقی ہیں اور ہمیشہ باقی رہیں گے ان شاء اللہ۔

ہم لوگ یہاں غمزدہ ہیں اور ہوں گے بھی، کیوں کہ محبت کرنے والے چلے جاتے ہیں لیکن ان کا احساس باقی رہتا ہے، انسان چلا جاتا ہے سب کو چھوڑ جاتا ہے، جانا سب کو ہے کوئی پہلے تو کوئی بعد میں۔ دعا ہے کہ ہم سب بھی اللہ پر ایمان و یقین کے ساتھ دنیا سے جائیں۔ آمین!

اسی طرح ابا بھی رخصت ہو گئے لیکن کیا ہی عمدہ زندگی، بہترین اخلاق کے ساتھ گئے کہ ہر کوئی اشکبار ہے، ہر کوئی اپنے کو یتیم محسوس کر رہا ہے، اللہ نے ایسی محبت بندوں کے دلوں میں ڈال دی کہ ہر بندہ اللہ کے ولی کے جانے سے غمزدہ ہے، یہ اللہ کے نزدیک مقبولیت کی دلیل ہے۔

ابا کے رخصت ہونے کا وقت بھی ایسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ چند ہی لوگوں کو ایسا وقت میسر فرماتے ہیں جن کو میسر ہوتا ہے تو وہ خوش نصیب ہیں، رمضان کا مبارک مہینہ آخری مبارک عشرہ، طاق راتوں کی مبارک ساعتیں اور ایمان کے ساتھ جانا کیسا ہی مبارک ہے:

﴿فَمَن يُؤْمِن بِرَبِّهِ فَلَا يَخَافُ بَخْسًا وَلَا رَهَقًا﴾ (الجن: ۱۳) (جو اپنے رب پر ایمان رکھتا ہے اسے نہ کمی کا اندیشہ ہوگا نہ کسی دباؤ کی فکر ستائے گی)

﴿وَمَن يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا يَخَافُ ظُلْمًا وَلَا هَضْمًا﴾ (طه: ۱۱۲) (جو پورا مؤمن رہ کر اچھے کام کرتا ہے اسے نہ ظلم کا خطرہ ہوگا نہ حق تلفی کا خدشہ ہوگا)

﴿لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْأَكْبَرُ وَتَتَلَقَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ هَذَا يَوْمُكُمُ الَّذِي كُنتُمْ تُوعَدُونَ﴾ (الأنبياء: ۱۰۳) (اچھے لوگوں کو بہت بڑی گھبراہٹ غمزدہ نہیں کرے گی، فرشتے ان سے ملاقات کریں گے اور کہیں گے کہ یہ تو تمہارا ہی دن ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جا رہا تھا)

اللہ تبارک وتعالیٰ ابا کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے اور ان کو اپنے اہل خاندان کے ساتھ جگہ نصیب فرمائے اور ہم سب کو بھی ایمان و یقین کے ساتھ زندہ رکھے اور ایمان و یقین کے ساتھ موت نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین!

﴿يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً فَادْخُلِي فِي عِبَادِي وَادْخُلِي جَنَّتِي﴾

مولانا بلال عبدالحی حسنی ندوی، ناظم دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

برکۃ العصر کی رحلت

جانشین مفکر اسلام حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندویؒ کی وفات کا اثر سب کے دلوں پر بڑا گہرا ہے اور یہ ایک طبعی بات ہے، اس لیے کہ اب تک ہمارے سروں پر جو ایک سایہ تھا وہ نہیں رہا، واقعہ یہ ہے کہ اس وقت ان کی حیثیت ''برکۃ الدنیا'' اور ''برکۃ العصر'' کی تھی اور وہ پوری دنیا کے لیے باعث خیر و برکت تھے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو اخلاق کی وہ بلندی عطا فرمائی تھی جس کا اعتراف سب کو ہے اور انہیں ایسا دل دیا تھا، جس نے کبھی بھی کسی کا برا نہیں سوچا، ان کی ذات سے کسی کو تکلیف پہنچنا تو بہت دور کی بات ہے، ہم نے ان کی بیماری کے بالکل آخری ایام میں بھی یہی دیکھا کہ وہ ہر ایک کے ساتھ غیر معمولی اخلاق برتتے تھے اور شدید ضعف کے باوجود وہ جس طرح ہر آنے والے سے اپنائیت کے ساتھ بات کرتے تھے، اس کو دیکھ کر حیرت ہوتی تھی۔

سچی بات یہ ہے کہ حضرت مولاناؒ نے مفکر اسلام حضرت مولانا علی میاںؒ کی جانشینی کا حق ادا کردیا۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے حضرت مولانا علی میاں صاحبؒ کو ''مجمع الکمالات'' لکھا تھا، جن کی وفات کے بعد ہمارے حضرت مولاناؒ ان کے جانشین ہوئے اور انہوں نے ان کی پوری صفات اپنے اندر جذب کرلیں، جس کے نتیجہ میں آپ کی شخصیت بھی ''مجمع الکمالات'' ہوگئی تھی، یہاں تک کہ آپ حضرت مولاناؒ کے بالکل مثنی بن گئے تھے اور بعض مرتبہ لوگوں کو دیکھ کر دھوکہ ہوتا تھا کہ یہ تو حضرت مولانا علی میاںؒ ہی معلوم ہوتے ہیں۔

حضرت مولاناؒ نے جب آپ کو حضرت رائیوریؒ سے بیعت کرایا، تو حضرت رائے پوریؒ نے بیعت کرنے کے بعد فرمایا:

''علی میاں! بیعت تو میں نے کرلیا لیکن یہ آپ کے ہیں اور ان کی تربیت آپ ہی کے ذمہ ہے۔''

اس کا نتیجہ تھا کہ وہ وہ پہلے دن سے لے کر اخیر تک اس طرح حضرت مولاناؒ کے ساتھ رہے جو ایک مثال ہے، انہوں نے اپنے آپ کو مٹا دیا، کسی کے بس میں ایسا نہیں تھا کہ وہ خود کو اس طرح فنا کر دے جیسے مولاناؒ نے خود کو حضرت مولاناؒ کے لیے کیا تھا اور اسی فنائیت کا نتیجہ تھا کہ حضرت مولانا کے دل میں ان کے لیے جو محبت تھی وہ کسی کے لیے نہیں تھی۔ آخری درجہ کی بات یہ ہے کہ بعض مرتبہ استنجا لگا ہوتا اور حضرت مولاناؒ فرمادیتے کہ رابع گاڑی میں بیٹھو تو آپ بیٹھ جاتے اور ایک مرتبہ بھی عذر نہ فرماتے، اس لیے کہ ان کی لغت میں حضرت مولاناؒ کے لیے ''نہیں'' تھا ہی نہیں، بعض مرتبہ شدید تکلیف ہوتی تھی، لیکن کبھی حضرت مولاناؒ سے یہ نہیں فرمایا کہ ہم ساتھ میں نہیں جاسکتے۔

حضرت مولانا علی میاں صاحبؒ کے سامنے حضرت مولانا رابع صاحبؒ نے خود کو فنا کردیا تھا اور ایسا مٹا دیا تھا جو آسان کام نہیں ہے، ایسا لگتا تھا کہ ان کے اندر کا نفس غائب ہوگیا ہے، اس میں

شبہ نہیں کہ مولانا عالم دین تھے، بڑے ادیب تھے، مفکر اور صاحب بصیرت انسان تھے، لیکن سفروں کے اندر ہمیشہ حضرت مولاناؒ کے ساتھ ایک خادم کی حیثیت سے رہتے تھے، یہ نہیں ہوتا تھا کہ وہ بھی حضرت مولاناؒ کے ساتھ تقریر کریں اور ان کا بھی اشتہارات میں نام چھپے، حالانکہ آدمی کے اندر بڑائی کا احساس ایسی چیز ہے جو بہت بعد میں ختم ہوتی ہے، لیکن حضرت مولانا رابع صاحب کا معاملہ ہی عجیب تھا، انہیں دیکھ کر لگتا تھا کہ ان کے اندر بڑائی کا احساس ہی نہیں ہے، وہ حضرت مولاناؒ کے ساتھ ہر جگہ شریک رہے، مگر ایسے تمام مواقع سے انہوں نے خود کو پیچھے رکھا جہاں نام ونمود کا شبہ بھی ہوتا ہو، ایک مرتبہ جب حضرت مولاناؒ مدینہ منورہ تشریف لے گئے اور وہاں "النبوۃ والأنبیاء" کے عنوان سے محاضرات ہوئے، جس کا اردو ترجمہ "منصب نبوت اور اس کے عالی مقام حاملین" کے نام سے شائع ہوا ہے، تو اس موقع پر بھی حضرت مولانا رابع صاحبؒ ساتھ میں موجود تھے، اس وقت حضرت مولانا علی میاںؒ نے باصرار ان کو بھی ایک محاضرہ تیار کرنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ تمہیں ایک محاضرہ دینا ہے، شاید اس طرح کے ایک ہی دو موقع ہوں گے، ورنہ ہمیشہ ان چیزوں سے دور رہنے کی کوشش کی۔ لیکن جب حضرت مولاناؒ کی وفات کے بعد اللہ تعالیٰ نے انہیں جانشین بنایا اور تمام لوگوں کے قلوب ان پر مجتمع ہوئے تو ہم نے خود حضرت کو دیکھا لگتا تھا کہ ان پر عجیب کیفیت ہے، وہ بار بار فرماتے تھے کہ میں خود کو اس لائق نہیں سمجھتا۔ لیکن ملت اسلامیہ ہندیہ کی قیادت کے لیے آپ کا جو انتخاب ہوا، تو سب نے دیکھا کہ آپ نے اس کا حق ادا کر دیا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت مولاناؒ کو غیر معمولی بصیرت عطا فرمائی تھی، ان کی رائے میں بڑا اعتدال اور توازن ہوتا تھا، وہ وقت کی نزاکت کو ہمیشہ ملحوظ رکھتے تھے، ہمارے والد صاحب حضرت مولاناؒ کے متعلق فرماتے تھے کہ اگر کسی کو مشورہ کرنا ہو تو چھوٹے بھیا سے کرے، کیونکہ ان سے زیادہ صائب الرائے کوئی نظر نہیں آتا اور یہ واقعہ ہے کہ مولانا میں دور اندیشی بہت تھی، وہ بہت دور تک سوچتے تھے، جہاں جلدی سے کسی کی نگاہ نہ پہنچ سکے حضرت مولاناؒ کی نگاہ وہاں تک پہنچ جاتی تھی اور وہ پہلے ہی سے اس کا سد باب کر دیتے تھے جس کی وجہ سے بہت سے خطرات ٹل جاتے تھے اور الحمد للہ معاملات حل ہو جاتے تھے، ظاہر ہے اب ایسے لوگ خال خال ہوتے ہیں۔

ہمارے حضرت مولاناؒ اسوۂ رسول ﷺ کا ایک نمونہ تھے، ظاہر ہے جانے والا تو چلا گیا، لیکن اب ہمیں آپ کی ان صفات سے فائدہ اٹھانے کی ضرورت ہے جن سے انہوں نے ملت کو فائدہ پہنچایا، حضرت مولاناؒ اکثر ایک بات کہتے تھے کہ بعض مرتبہ ہم کوئی کام کرتے ہیں اور ہمیں محسوس ہوتا ہے کہ اس کام کے لیے اس سے بھی بہتر شکل ممکن ہے، لیکن کبھی کبھی ہم لوگوں کو جوڑنے کے لیے تنازل گوارا کر لیتے ہیں، واقعی یہ بہت بڑی چیز ہے، اجتماعیت ایسی چیز ہے جس سے کاموں میں قوت آتی ہے اور کام جاری رہتے ہیں۔ حضرت مولاناؒ کے اندر کی سب کو جوڑ کر چلنے کی بڑی اہم صفت تھی، وہ سب کو ہمیشہ محبت کے ساتھ لے کر چلے اور ان کی دور اندیشی سے ہمیشہ ملت کو فائدہ پہنچا۔

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندویؒ اللہ کے ایک نیک اور ولی بندہ تھے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے انہیں ایمان کی گہرائی عطا فرمائی، اخلاق کی بلندی اور امت کا درد عطا فرمایا، یہ وہ صفات ہیں جو بندوں کو ممتاز کرتی ہیں، پھر اللہ تبارک

وتعالیٰ نے ان کو ایسی عمر عطا فرمائی جو ایمان اور عمل صالح سے بھرپور تھی، حدیث شریف میں ایسے حضرات کے متعلق گواہی ہے کہ

"خَیۡرُ النَّاسِ مَنۡ طَالَ عُمُرُہٗ وَحَسُنَ عَمَلُہٗ"

(تم میں سب سے بہتر وہ ہیں جن کی عمر زیادہ ہو اور ان کے اعمال بھی اچھے ہوں) (ترمذی:۲۵۰۰)

اعمال اچھے ہونے کی مختلف شکلیں ہیں، جن میں ایک شکل یہ بھی ہے کہ آدمی کی زندگی نمونہ کی ہو اور اسوۂ رسول ﷺ کی مکمل نقل ہو، اس زندگی کے ساتھ جس کی عمر طویل ہو وہ اپنے وقت کا امام اور برگزیدہ بندہ ہوتا ہے اور دنیا اس سے فائدہ اٹھاتی ہے، ہمارے حضرت مولاناؒ کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایسا ہی مقام عطا فرمایا تھا، ان کے دل میں امت کا ایک درد تھا اور اس کا عالم یہ تھا کہ انہیں راتوں کو نیند نہیں آتی تھی، وہ راتوں کو اٹھ جاتے تھے اور روتے رہتے تھے، میں نے انہیں خود دیکھا کہ وہ راتوں کو بہت بے چین ہوتے تھے اور فرماتے تھے کہ اس وقت امت کے اندر دو ایسے امراض ہیں جن کی وجہ سے یہ امت زوال کا شکار ہو رہی ہے، پہلا مرض یہ ہے کہ یہ امت بے دین ہے اور دوسرا مرض یہ ہے کہ یہ امت بے بس ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت مولاناؒ کو غیر معمولی ذہانت اور امت کو جوڑنے کا مزاج دیا تھا، ایک طویل عرصہ تک انہوں نے ملت اسلامیہ ہندیہ کی قیادت فرمائی اور بعض عالمی اداروں کی بھی رہبری کی، سب جگہ حضرت مولاناؒ نے سب کو ساتھ لے کر نباہ کرتے ہوئے اس طرح اپنا سفر جاری رکھا کہ الحمد للہ کہیں کوئی بڑی دشواری پیش نہیں آئی اور اگر کبھی کوئی بات ہوئی تو اپنی بصیرت سے اس کو بہتر سے بہتر طریقہ پر حل فرمایا، بعض مرتبہ ایسے مواقع بھی آئے کہ لگ رہا تھا کشتی ڈانواڈول ہے، مگر وہ آپ کی فراست ایمانی سے پار لگ گئی، حضرت مولاناؒ کی انہی صفات سے امت کو فائدہ پہنچ رہا تھا۔ بلاشبہ ایسی جامع الکمالات شخصیات کم ہی ہوتی ہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت مولاناؒ کو بے شمار اکابر امت کی صحبتوں سے فائدہ اٹھانے اور ان کے قریب رہنے کا موقع عطا فرمایا تھا، سب سے پہلے انہوں نے حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کو دیکھا، حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کے ساتھ سفر کیا اور بالخصوص حضرت مولانا شاہ عبد القادر صاحب رائے پوریؒ کے ساتھ انہوں نے ایک طویل سفر کیا، اس سفر میں ایک دلچسپ واقعہ بھی پیش آیا جو حضرت اکثر سنایا کرتے تھے، یہ سفر حجاز کا تھا اور پانی کے جہاز سے ہوا تھا، سفر کے لیے حضرت مولاناؒ جوتا خرید کر لے گئے تھے، دوران سفر حضرت رائے پوریؒ کی مجلس ہو رہی تھی اور مولانا کے جوتے باہر رکھے تھے جو کسی صاحب کو شاید پسند آگئے اور وہ پہن کر چلے گئے، جب وہ واپس آئے تو حضرت مولانا نے اپنے جوتے دیکھ کر اٹھا لیے، پھر جب مجلس ختم ہوئی تو ان صاحب نے ہنگامہ شروع کر دیا کہ میرے جوتے چوری ہوگئے، حضرت نے کہا: شاید آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے، وہ جوتے تو میرے ہیں، لیکن وہ صاحب نہیں مانے اور ان کی آواز تیز ہوگئی، یہاں تک کہ بات حضرت رائے پوریؒ تک پہنچ گئی، تو حضرت رائے پوریؒ نے حضرت مولانا رابع صاحبؒ سے فرمایا: ارے چھوڑیئے، اتنا کہنا تھا کہ حضرت نے فوراً اپنا جوتا انہیں دے دیا۔ حضرت فرماتے تھے کہ عجیب بات ہے حضرت رائے پوریؒ کو میری یہ بات اتنی پسند آئی کہ پورے سفر وہ یہی تذکرہ کرتے رہے کہ مولوی رابع صاحب نے میری بات مان لی، ظاہر ہے اہل اللہ کے یہاں

بات ماننے کی بڑی قیمت ہے، حضرت مولاناؒ فرماتے تھے کہ حضرت رائے پوری یہی چیز دیکھتے تھے کہ آدمی بات کتنی مانتا ہے، وہ یہ نہیں دیکھتے تھے کہ تسبیحات اور نمازیں کتنی پڑھتا ہے۔ یقیناً یہ بھی بنیادی بات ہے، لیکن اس سے کم درجہ کی بات یہ بھی نہیں کہ آدمی اپنے بڑوں کو بڑا سمجھے اور ان کی بات مانے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت مولاناؒ کو حسن خاتمہ عطا فرمایا، وفات والے دن تقریباً سوا بارہ بجے ہی فرمایا کہ مجھے ظہر کی نماز پڑھاؤ، اس وقت زیادہ لوگ موجود نہیں تھے، لیکن پھر بھی نماز کے لیے آپ کا اصرار رہا اور آپ نے زیادہ دیر کسی کا انتظار نہیں کیا، بلکہ جلد از جلد نماز ادا کرانے کے لیے کہا، ظہر کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کرنے کے بعد ان کے اوپر بے ہوشی کی کیفیت طاری ہوئی اور اسی کے اندر حرکت قلب اس حال میں بند ہوئی کہ آپ کی سانسوں سے اللہ اللہ کی آوازیں آرہی تھیں اور آپ اللہ اللہ کرتے ہوئے اس دنیائے فانی سے رخصت ہوئے۔

حضرت مولانا ضلع رائے بریلی کے ایک چھوٹے سے گاؤں تکیہ کلاں میں پیدا ہوئے، اپنے بھائیوں میں ان کی حیثیت "واسطة العقد" کی تھی، والد ماجد سنتے بولتے نہیں تھے، لیکن بڑے فہیم اور دیندار انسان تھے، پڑھنا لکھنا بھی سیکھا تھا، اگر کوئی بات نہ سمجھتا تو لکھ کر بتاتے تھے، حضرت نے اپنی جوانی میں والد صاحب کو حج کرایا، وہاں وہ بیمار ہوئے، لیکن حضرت نے ایسی خدمت کی کہ محسوس نہیں ہونے دیا اور الحمدللہ صحت ہوئی اور حج مکمل ہوا۔

والدہ صاحبہ مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی بڑی ہمشیرہ تھیں، صاحب دل خاتون تھیں، انہوں نے اپنی اولاد کی تربیت کی اور تینوں صاحب زادے آفتاب وماہتاب بن کر روشنی بکھیرتے رہے، حضرت مولانا سید محمد ثانی حسنی ان میں سب سے بڑے تھے، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ کے خلیفہ، انتہائی نرم دل اور جامع الکمالات شخصیت کے حامل تھے، سب سے چھوٹے مولانا واضح رشید صاحب مفکر وادیب، صاحب تصانیف، صاحب بصیرت عالم تھے، عالم اسلام سے ان جیسا واقف طبقہ علماء میں شاید ہی کوئی ہو، دل بڑا شفاف تھا، دونوں بھائیوں کا انتقال حضرت مولانا کے سامنے ہوا، مولانا ثانی صاحب تو ساٹھ کی دہائی تک بھی نہیں پہنچ سکے، لیکن اہم اور ضخیم تصنیفات یادگار چھوڑیں، مولانا محمد حمزہ حسنی صاحب ان کے تنہا فرزند تھے اور ایک صاحبزادی جو عزیز القدر مولوی محمود مرحوم کی والدہ تھیں، مولانا واضح صاحب نے طبعی عمر پائی، حضرت کی وفات سے چار سال پہلے وہ دنیا سے رخصت ہوئے، مولانا جعفر صاحب ان کے تنہا فرزند ہیں جو اپنے والد کی فکری وعلمی وراثت کے امین ہیں۔

حضرت مولانا کی ابتدائی تعلیم رائے بریلی میں ہوئی پھر تقریباً دس سال کی عمر میں والدہ صاحبہ نے ماموؤں کے پاس لکھنؤ بھیج دیا، بڑے ماموں مولانا حکیم ڈاکٹر سید عبد العلی صاحب کا گھر وہیں تھا، وہی سب کا مستقر تھا، حضرت مولانا نے دارالعلوم ندوۃ العلماء میں تعلیم حاصل کی لیکن مولانا کے اصل استاد ومربی حضرت مولاناؒ تھے۔

حضرت مولاناؒ کا اسلوبِ تعلیم اور اندازِ تربیت بڑا حکیمانہ تھا، تعلیم میں حضرت کے یہاں بڑی سختی تھی، حضرت مولانا رابع حسنی صاحبؒ فرماتے تھے کہ سبق پوری طرح تیار کرکے لانا ہوتا تھا، ایک غلطی بھی ماموں جی کو برداشت نہیں تھی، غلطی پر سخت سرزنش فرماتے، یہ تعلیم

سفر وحضر میں جاری رہی، حدیث کی تکمیل حضرت شاہ حلیم عطاؒ کے یہاں ہوئی، تقریباً ایک ماہ مظاہر علوم میں بھی قیام رہا اور حضرت شیخ سے استفادہ کا موقع ملا، پھر بقیہ سال کا حصہ دیوبند میں گذرا، حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے خاندان کا بڑا گہرا تعلق تھا، حضرت جب دیوبند پڑھنے کے لیے گئے تو ایک درجہ میں جہاں قیام بھی تھا نکل کر سامنے کھڑے ہوئے تھے کہ اچانک حضرت مدنی تشریف لے آئے، دیکھ کر بولے: آپ یہاں کیسے؟ مولانا نے فرمایا کہ پڑھنے کے لیے حاضر ہوا ہوں، فرمایا: نہیں! یہاں کیسے؟ آپ کو ہمارے گھر آنا چاہیے۔ مولانا نے فرمایا کہ حاضر ہوجاؤں گا، پھر کئی روز حضرت کے یہاں قیام رہا پھر اجازت لے کر دار الاقامہ میں منتقل ہوگئے۔

اسی زمانہ کا واقعہ ہے کہ دار العلوم میں شوریٰ کا جلسہ تھا، حضرت رائے پوری تشریف لائے اور حضرت مدنی کے یہاں قیام ہوا، مولانا فرماتے ہیں کہ حضرت مدنی گھر میں تھے اور ہم حضرت رائے پوری کی خدمت میں حاضر تھے، کچھ روز پہلے حضرت رائے پوری تکیہ رائے بریلی تشریف لائے تھے، اسی کا تذکرہ فرمانے لگے کہ حضرت مدنی تشریف لے آئے، حضرت رائے پوری ان کی طرف متوجہ ہوگئے اور فرمایا کہ حضرت! ہم تکیہ گئے تھے، حضرت مدنی نے فرمایا کہ دو جگہ رات گذارنے کو جی چاہتا ہے، ایک تکیہ کی مسجد میں اور دوسرے میاں نور محمد جھنجانوی کے حجرہ میں۔

یہ قصہ ۱۹۴۷ء کے شروع کا ہے، مولانا نے وہاں ہدایہ جلالین وغیرہ پڑھیں، ارادہ اگلے سال دورہ کا بھی تھا، مگر ۱۹۴۷ء کے فسادات کی وجہ سے یہ ممکن نہ ہوسکا اور حضرت مولانا نے دار العلوم ندوۃ العلماء میں ہی تکمیل کی۔

اس زمانہ میں نہ مدارس عام تھے اور نہ ملازمت کے مواقع تھے، فراغت کے بعد ایک سال کا عرصہ یوں ہی گذر گیا، سال کے اخیر میں دار العلوم کے مہتمم مولانا عمران خاں صاحب نے از خود فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ تمہیں تدریس میں لے لوں، اس کے بعد ہی انتظامیہ کا جلسہ تھا جس میں یہ تجویز منظور ہوئی اور ۱۹۴۹ء میں حضرت نے ندوہ میں بحیثیت مدرس قدم رکھا، تدریس کے وہ چند سال ایسے گذرے کہ حضرت نے تعلیم کے لیے رات دن ایک کردیے، اتنی محنت کی کہ صحت متاثر ہوگئی اور خاندان کے بزرگوں کو کہنا پڑا، حضرت فرماتے تھے کہ وہ محنت پھر ساری زندگی کام آئی، وہ دن اور حضرت کی وفات کا دن' حضرت نے اپنے آپ کو ندوہ کے لیے تج دیا، تدریس کے دوسرے ہی سال حجاز مقدس کا سفر ہوا اور ایک سال وہاں بھی قیام رہا، تبلیغی کوششوں کا سلسلہ بھی جاری رہا اور وہاں علماء سے استفادہ کا بھی خوب موقع ملا، ایک سال بعد واپس ہوئے تو دار العلوم میں ادیب دوم کی حیثیت سے تقرر ہوا، پھر مولانا عبداللہ عباس ندویؒ کے جانے کے بعد ادیب اول اور "کلیۃ اللغۃ العربیۃ" کے قیام کے بعد "عمید کلیۃ اللغۃ" منتخب ہوئے۔

حضرت مولانا کی دور رَسی اور معاملہ فہمی کی وجہ سے ذمہ داران ندوۃ العلماء کو ان پر بھرپور اعتماد تھا، ندوۃ العلماء اور ان کی شخصیت لازم وملزوم ہوگئے تھے، ان کی پوری زندگی ندوہ کے لیے وقف تھی، شاید ہی کوئی دوسری شخصیت ایسی ہو جس نے اتنی طویل مدت کسی ادارہ کی بھرپور خدمت کی ہو، جو موقع اللہ نے حضرت کو دیا، انہوں نے ہر طرح کی اونچ نیچ کو سمجھا، اس پچہتر سالہ مدت میں بڑے نشیب وفراز آئے، دو ایک اسٹرائکیں بھی ہوئیں لیکن حضرت

اس کے لیے سینہ سپر رہے۔
طلبہ سے مولانا کا شروع سے بڑا تعلق رہتا تھا، وہ ان کی ایک ایک چیز کی فکر کرتے، ان کی تربیت فرماتے، ان کی ضروریات پر بھی نگاہ رکھتے اور ان کی ترقی کے لیے راستے تلاش کرتے، یہی وجہ ہے کہ حضرت کے شاگردوں کا ہمیشہ ان سے انتہائی تعلق رہا۔حضرت مولانا سعید الرحمٰن اعظمی ندوی مدظلہ اور حضرت مولانا تقی الدین ندوی مدظلہ جو حضرت کے بالکل ابتدائی دور کے شاگرد ہیں، اخیر تک وہ حضرت کی محبت میں سرشار رہے اور خدمت میں حاضری سعادت جانتے رہے۔

حضرت کا اصل ذوق تدریس کا تھا، اس میں تقریباً حضرت کے پچھتر سال گذرے، شاید ہی کسی کو یہ شرف اتنی طویل مدت تک حاصل رہا ہو، عجیب بات ہے کہ حضرت کا موضوع ادب وتاریخ رہا، لیکن اخیر دور میں کئی سال حضرت نے بخاری شریف پڑھائی اور یہ مبارک سلسلہ وفات سے دو تین مہینہ پہلے تک جاری رہا۔

سلوک وتربیت میں بھی حضرت مفکر اسلام کی جانشینی کا حق حضرت نے ادا کردیا، ہزاروں بندگان خدا نے حضرت سے اس باب میں فائدہ اٹھایا اور مقصود کو پہنچے، اس وقت پچاس سے زائد وہ حضرات ہیں جو اس باب میں بھی حضرت کے لیے صدقہ جاریہ ہیں اور شاگردوں کی تعداد کا تو اندازہ لگانا مشکل ہے، ساری دنیا میں اس وقت حضرت کا فیض جاری ہے۔

حضرت کو سفروں سے بہت کم مناسبت رہی، حضرت مفکر اسلام کی وفات کے بعد انہوں نے ضروری بیرونی اسفار کیے، مصر، لندن، جاپان، ساؤتھ افریقہ کے علاوہ متعدد سفر حجاز مقدس کے ہوئے، رابطہ عالم اسلامی کے جلسوں میں بھی شرکت ہوئی، وہاں کے اصحاب علم وادب کو ہم نے خود دیکھا کہ وہ اگر حضرت سے ملتے تو اکثر زبانوں پر یہی ہوتا "كأنه الشيخ أبي الحسن" یہ تو بالکل شیخ ابو الحسن معلوم ہوتے ہیں، اخیر دور میں حضرت نے اپنی معذوریوں اور کمزوریوں کی بنا پر سفر ترک فرمادیا، لیکن حرمین شریفین کی حاضری کا بار بار ذکر فرماتے اور جانے کی خواہش ظاہر فرماتے۔

جب تک برادر خورد حضرت مولانا واضح رشید صاحبؒ حیات رہے، وہ ہمت دلاتے رہے اور ان کی وجہ سے حضرت ہندوستان کے سفر کرلیتے تھے، لیکن ان کی وفات کے بعد پھر کوئی باقاعدہ سفر نہ ہوسکا، ان دونوں بھائیوں کی محبت بھی مثالی تھی، ایک دوسرے کے بغیر شاید ایک دن گذارنا بھی مشکل تھا، لیکن یہ حضرت کی قوتِ ایمانی تھی کہ انہوں نے اپنے چھوٹے محبوب بھائی کی جدائی کا غم برداشت کیا۔

اخیر میں حضرت کو اپنی معذوری اور کمزوری کا خیال تھا اور بار بار فرماتے کہ ہم کچھ نہیں کر پاتے، جب کہ وہ ضروری پروگراموں میں شرکت فرماتے، کام کرنے والوں کی رہنمائی کرتے اور ضروری مشورے دیتے، ان کی معذوری اور کمزوری کبھی ایسی نہیں ہوئی کہ اس نے ان کو معطل کیا ہو، بھرپور زندگی گذاری، کام کرتے کرتے ملت کا درد اپنے سینہ میں لیے ہوئے اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہوگئے، وہ ہاتھ جو ملت کی سرخ روئی کے لیے ہمیشہ اٹھتے رہتے تھے اور وہ زبان جو ساری انسانیت کی فلاح کے لیے دعا گو رہتی تھی، وہ ہمیشہ کے لیے خاموش ہوگئی، یقیناً یہ پوری ملت کے لیے بڑا خسارہ ہے، اللہ تعالیٰ غیب سے ملت کی حفاظت کا سامان فرمائے اور حضرت والا کو ان کی خدمات جلیلہ کا بہتر سے بہتر صلہ عطا فرمائے۔آمین!

مولانا جعفر مسعود حسنی ندوی، ناظر عام ندوۃ العلماء۔لکھنؤ

عمِ محترم

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندویؒ

عم محترم حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندویؒ کی زندگی ایک کھلی کتاب تھی، کھلی بھی تھی اور آسان بھی، ہر شخص اس کو پڑھ سکتا تھا، ہر شخص اس کو سمجھ سکتا تھا، نہ اس میں کوئی ابہام تھا اور نہ اس میں کوئی پیچیدگی، عوام نے بھی اس کو پڑھا، خواص نے بھی اس کو سمجھا، دونوں پر اس کا اثر پڑا، عوام ان کے اخلاق، ان کی محبت، ان کی شفقت، ان کی سادگی اور ان کے جذبہ خیر خواہی سے متاثر ہوئے اور خواص ان کے علم وفضل اور ان کی حکمت وبصیرت سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔

وہ صاحب ایمان اور صاحب عمل تھے، اس کا ثبوت ان کے جنازہ نے دیا، اس محبوبیت اور مقبولیت نے دیا جس کا مشاہدہ ان کی تدفین کے موقع پر ہوا: ﴿إِنَّ الَّذِيْنَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمَنُ وُدًّا﴾

ان کی زندگی تقویٰ سے عبارت تھی اور صبر تو گویا ان کی بنیادی صفت تھی او راس کی گواہی اپنوں نے بھی دی اور غیروں نے بھی، جن جن حالات سے اللہ تعالیٰ نے انہیں گزارا، نہ تقویٰ کا دامن ہاتھ سے چھوٹا اور نہ صبر کی اس بلندی سے وہ ذرا نیچے اترے، تبھی تو وہ مقام ملا جس پر دنیا آج رشک کرتی ہے، بغیر طلب او ربغیر کوشش کے حتی کہ بغیر خواہش اور بغیر چاہت کے۔

وہ صاحب ولایت تھے، صاحب استقامت تھے، صاحب عزیمت تھے، زہد، ورع، استغنی، احتیاط، حلم، قناعت، تقشف، تواضع انکساری، بردباری، نرمی، فکرمندی، دردمندی اور سوز دروں میں تو اپنی مثال آپ تھے، بقول مولانا مفتی محمد تقی عثمانی وہ حضرت مولانا علی میاں رحمۃ اللہ علیہ کا عکس جمیل تھے، بولنے اور لکھنے میں احتیاط کا یہ عالم تھا کہ زبان سے کبھی کوئی لفظ ایسا نہ نکلتا جس پر گرفت ہو سکے، تحریر میں کوئی ایسا لفظ نہ آتا جس پر انگلی اٹھ سکے، عاجزی وفروتنی کا یہ عالم کہ اس کا تصور بھی مشکل ہے۔

ایک طالب علم پیر دبانے بیٹھ گیا، آپ نے منع کیا وہ نہ جانے کیا سمجھا اٹھ کر چلا گیا، آپ کو احساس ہوا کہ شاید یہ بات اس کو ناگوار گذری اور یہ احساس اتنا بڑھا کہ مولوی عین الحسن ندوی کو بھیجا کہ اس طالب علم کو ڈھونڈ کر لائیں، جب وہ طالب علم آیا تو مولانا نے معذرت کرتے ہوئے کہا کہ شاید آپ کو میری بات ناگوار گذری، معاف کیجیے گا، میں نے تو آپ سے بیٹھنے کے لیے کہا تھا، جانے کے لیے نہیں۔

آپ کی طبیعت ناساز تھی، سخت کمزوری اور نقاہت تھی، سینہ میں تکلیف تھی، ایک صاحب آئے، سلام کیا، کچھ دیر کھڑے رہے اور پھر چلے گئے، کمزوری او رتکلیف کا یہ عالم تھا کہ آپ ان سے کچھ نہ کہہ سکے، کچھ دن بعد وہ صاحب جب پھر آئے تو مولانا نے ان سے کہا کہ معاف کیجیے گا، اس دن آپ آئے تھے، میں آپ سے بیٹھنے کے لیے نہ کہہ سکا، نقاہت کا یہ عالم تھا کہ بولنا بھی مشکل تھا۔

خدا کی ناراضگی اور پکڑ کا ڈر اتنا ان پر غالب رہتا تھا کہ کسی بھی لمحہ یہ

خیال ان کے دل سے نہیں نکلتا تھا اور یہی وہ خیال تھا جو ہمیشہ ان کی زبان کی حفاظت کرتا تھا۔

ایک مرتبہ میں نے ان سے جا کر کہا ،فلاں صاحب سے آپ اس طرح ملتے ہیں اور اتنا ان کا خیال رکھتے ہیں او روہ اس اس طرح آپ کے بارے میں باتیں کررہے تھے اور یہ کہتے کہتے میرے منھ سے کچھ سخت باتیں ان کے لیے نکل گئیں، مولانا ایک دم سے سنجیدہ ہوگئے او رسختی کے ساتھ بولے کہ تم زیادہ تیز بول رہے ہو، تمہیں اپنی زبان کا حساب دینا ہے، ان کو اپنی زبان کا، تم اپنی زبان کو قابو میں رکھو، یہ سننا تھا کہ جیسے میرے بریک لگ گیا او رآج بھی ان کا یہ جملہ، یہ نصیحت سامنے آکر کھڑی ہوجاتی ہے ،جب بھی زبان تیز چلنے لگتی ہے تو زبان کو خود بخود لگام لگ جاتی ہے۔

یہ ان کی نرمی اور مروت کی ہی کی بات تھی ،ہم جیسے چھوٹے بھی ان کے سامنے کھل کر اپنا موقف یا اپنی رائے رکھ دیا کرتے تھے اور وہ پوری توجہ کے ساتھ اس کو سنتے تھے، اس کے اچھے پہلو کو سراہتے اور اگر اس میں خرابی یا نقصان کا اندیشہ ہوتا تو بڑی نرمی سے سمجھا دیتے۔

میرے مزاج میں تھوڑی حدت ہے او رشاید یہ میری بہت بڑی کمزوری ہے، دوران گفتگو اکثر لہجہ تیز ہوجاتا ہے او ربات کچھ اس انداز کی ہوجاتی ہے کہ میری ہی بات صحیح ہے، ایک مرتبہ خود میرے والد صاحب نے مجھ سے کہا کہ تم بالکل رف لہجہ میں بات کرتے ہو، یہ غیر مہذب طریقہ ہے، عم محترم مولانا رابع حسنی ندویؒ نے ایک بار یہ کہتے ہوئے تنبیہ کی کہ یہ بات تم نرمی سے بھی کہہ سکتے تھے، کتنا خوبصورت انداز تھا یہ سمجھانے کا ،دل میں اتر جانے والا۔

وہ کبھی اس طرح نہیں ٹوکتے تھے کہ کسی کو برا لگے یا توہین کا احساس ہو، یا دل میں کوئی گرہ پڑے یا اسے یہ لگے کہ ٹوکنے والا اپنے کو برتر سمجھ رہا ہے اور اس کو اپنے سے کمتر، کیوں کہ ایسے میں نصیحت کا الٹا اثر پڑتا ہے، خود انہوں نے اپنی کم عمری کا ایک واقعہ اپنے خادم عین الحسن ندوی کو سمجھاتے ہوئے سنایا کہ ایک مرتبہ ان کے ایک ساتھی ایسے وقت نماز پڑھ رہے تھے جو نماز کا وقت نہیں تھا، انہوں نے ٹوکتے ہوئے کہا کہ تم اس وقت نماز پڑھ رہے ہو یہ تو منافقوں کی نماز کا وقت ہے، جواب میں انہوں نے کہا کہ آپ کو آپ کا ایمان مبارک ہو میں منافق ہی سہی۔

میرے والد محترم کے انتقال کے بعد ان کی ایک بڑی خصوصیت انہوں نے یہ بتائی کہ وہ اختلاف کرتے تھے مخالفت نہیں کرتے تھے اور اختلاف اور مخالفت میں بڑا فرق ہے، اختلاف سے بات بنتی ہے، سنورتی ہے اور خامیاں اور کمیاں دور ہوتی ہیں اور مخالفت سے بات بگڑتی ہے اور دوری بڑھتی ہے اور ضد اور ہٹ دھرمی پیدا ہوتی ہے۔

مولانا کا مزاج یہ تھا کہ اگر کوئی شخص ان سے کسی کے بارے میں کوئی ایسی بات کہتا جس سے اس کی غلط تصویر بنتی ہو، مولانا اس کا اچھا پہلو ضرور بیان کر کے اس کی تصویر بہتر کرنے کی کوشش کرتے، یا پھر اس موضوع کو بدل دیتے، کبھی ان کی زبان سے کسی کے بارے میں کوئی ایسا لفظ نہیں نکلا کہ اگر اس کو نقل کر دیا جائے تو انہیں شرمندگی ہو یا جس کے بارے میں بولا گیا ہے اس کو برا لگے۔

وہ نہایت ذہین تھے اور انتہائی سمجھدار، ایک ایک چیز کو سمجھتے تھے، ایک ایک آدمی کو پہچانتے تھے، جب ان کے سامنے مسائل لائے جاتے، دشواریوں کا تذکرہ ہوتا، حالات کے سلسلہ میں تشویش کا اظہار کیا جاتا اور حل لوگوں کی سمجھ میں نہ آرہا ہوتا تو وہ اپنی دو منٹ کی گفتگو سے ان سیاہ بادلوں کو چھانٹ دیا کرتے تھے۔ ان

کے اندر بے پناہ مروت تھی، لیکن دین کے معاملہ میں، عقیدہ کے معاملہ میں، شریعت کے معاملہ میں وہ ایک چٹان سے بھی زیادہ سخت ہوجاتے تھے اور ان کی اس مضبوطی سے دوسروں کو طاقت ملتی تھی۔

ان کی بے نفسی کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ جب مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کا انتقال ہوا تو مولانا سید عبداللہ حسنیؒ نے جو مولانا رابع حسنی ندویؒ کے بھتیجے بھی تھے اور داماد بھی، ان سے عرض کیا کہ نماز جنازہ آپ پڑھائیں لیکن حضرت مولانا اس پر تیار نہیں ہوئے اور ان سے کہا: ہم اس لائق نہیں کہ ماموں جی کی نماز جنازہ پڑھاسکیں، یہ حق تمہارا ہے، لیکن مولانا عبداللہ حسنی ندوی کے اصرار پر مجبوراً آپ تیار ہوئے اور نماز پڑھائی، اسی طرح مولانا عبداللہ حسنی ندویؒ نے آپ سے عرض کیا کہ اب آپ تکیہ رائے بریلی میں اس کمرہ میں قیام کریں جس میں حضرت مولانا علی میاں کا قیام رہا کرتا تھا، کیوں کہ اب آپ ان کی جگہ ہیں اور ان کے جانشین ہیں، لیکن مولانا اس پر بالکل تیار نہ ہوئے اور وہ یہی کہتے رہے کہ نہیں، ان کے جانشین تم ہو، یہ تمہارا حق ہے اور جب بھی کوئی ان سے بیعت وارادت کا تعلق قائم کرنے کے لیے آتا تو وہ مولانا عبداللہ حسنی کا نام بتاتے اور ان سے تعلق قائم کرنے کو کہتے۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب (جنرل سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ) نے اپنی ایک تقریر میں حضرت مولانا رابع حسنی ندوی کی تواضع اور بے نفسی کا ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے کہا کہ انتقال سے قبل میں حضرت سے ملاقات کی غرض سے لکھنؤ آیا، ایک دو دن قیام رہا، واپسی کے دن میں حضرت سے ملاقات کے لیے مہمان خانہ گیا، مگر حضرت محو استراحت تھے، وقت کم تھا، میں نے خادم سے کہا کہ حضرت سے سلام عرض کردینا اور وقت کی تنگی کا عذر بتادینا، یہ کہہ کر میں ایرپورٹ کے لیے نکل گیا، ایرپورٹ پہنچا ہی تھا کہ حضرت کے خادم کا فون آیا، انہوں نے کہا: حضرت بات کرنا چاہتے ہیں، شاید خادم بتانا بھول گئے تھے، حضرت وہیل چیر سے میرے کمرہ تشریف لائے تھے، حضرت نے فون پر معذرت کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ آپ مہمان خانہ آئے، آپ کو زحمت ہوئی مجھے جگا دیتے، میں شرمندہ ہوں، مجھے پہلے سے آپ کا شیڈول معلوم کرنا چاہیے تھا اور مجھے خود آپ کے کمرہ آنا چاہیے تھا، ایک دوسرا واقعہ حضرت کی بے نفسی کا انہوں نے بتایا کہ مولانا پاریکھ صاحب کا درس قرآن ختم ہورہا تھا، اس کے لیے انہوں نے تقریب رکھی تھی اور مفکر اسلام کو بلایا تھا، رفیق کے طور پر حضرت مولانا رابع حسنی ندوی تشریف لائے تھے، تعلق کی بنا پر انہوں نے مجھے بھی دعوت دی تھی، میں بھی حاضر ہوا تھا اور اسٹیج پر موجود تھا، اچانک میری نگاہ حضرت مولانا رابع صاحب پر پڑی جو عوام کے درمیان اس طرح تشریف فرما تھے کہ خاص اور عام کا فرق مٹ گیا تھا، میں نے منتظمین میں سے ایک سے کہا: وہ صاحب جو عوام کے درمیان تشریف فرما ہیں ان کو اسٹیج پر لاؤ، لیکن وہ حضرت کے مقام ومرتبہ کو سمجھ نہ سکا یا دیگر مصروفیات نے اس کے ذہن سے یہ بات نکال دی، پھر میں نے دوسرے صاحب سے کہا کہ فلاں صاحب اسٹیج کے نیچے تشریف فرما ہیں، ان کو باصرار اسٹیج پر لائیے، یہ ان کی تواضع اور فنائیت ہے، ورنہ وہ بہت بزرگ اور صاحب علم وفضل ہیں۔

تواضع اور بے نفسی اس حد تک بڑھی ہوئی تھی کہ لوگ جب آپ سے اصلاح کے لیے کہتے تو آپ فرماتے اصلاح کے محتاج ہم خود ہیں، لوگ جب توجہ ڈالنے کے لیے کہتے تو آپ فرماتے

کہ مجھے توجہ ڈالنا ہی نہیں آتا۔

مولانا کا تعلق زمین دار گھرانے سے تھا، زمین دار گھرانے سے تعلق ہو ،کھیت بھی ہوں اور باغات بھی اور زمین سے دلچسپی نہ ہو، زمین کا تذکرہ نہ ہو، یہ بات ناقابل یقین ہے، لیکن مولانا کا معاملہ کچھ ایسا ہی تھا، نہ کھیت کا تذکرہ نہ باغ کا حتی کہ گھر میں بھی کوئی بات ایسی نہیں کرتے تھے، وہ بات صرف دین کی کرتے تھے، اصلاح وتربیت کی کرتے تھے، دعوت وتبلیغ کی کرتے تھے، یا پھر حالات پر فکرمندی کا اظہار یا پھر بچوں کی تعلیم وتربیت کے سلسلہ میں ہدایات۔

دل آزاری سے آپ کوسوں دور تھے، ہدایا بھی اس لیے قبول کرتے تھے کہ انکار کی صورت میں دل آزاری ہوگی، لیکن ہدیہ دینے والے کو کچھ نہ کچھ ضرور دینے کا اہتمام کرتے تھے، فرماتے تھے نصیحت اس طرح کرو کہ ذرا بھی اپنی بڑائی کا احساس نہ ہو، اس سے اس شخص کو شرمندگی کا احساس ہوگا۔

ان کی زندگی کے بڑے کاموں میں ایک بڑا کام اپنے والد کو حج کرانا تھا، والد ضعیف بھی تھے او رسماعت وگویائی سے محروم بھی اور سفر پانی کے جہاز کا اور پھر راستہ میں بیمار ہونا اور بیماری کا یہ سلسلہ حج کے ایام تک جاری رہنا، کتنی دشواریاں پیش آئیں ہوں گی، کیسے کیسے حالات کا سامنا کیا ہوگا، لیکن انتہائی خندہ پیشانی کے ساتھ، انتہائی تابعداری اور خوش دلی کے ساتھ، اس سفر میں والد صاحب کی راحت کی خاطر انہوں نے اپنے کو بالکل مٹادیا، مکہ مکرمہ میں قیام حضرت مولانا ڈاکٹر عبداللہ عباس ندویؒ کے مکان پر تھا، انہوں نے جب مولانا رابع صاحب کو اپنے والد کی اس طرح خدمت کرتے ہوئے دیکھا تو انہوں نے کہا: ''رابع میاں نے اپنی جنت ابھی سے بنالی۔''

والدہ سے محبت، والدہ کی خدمت اور والدہ کی تابعداری میں بھی وہ اپنی مثال آپ تھے، والدہ ہی کی خوشی میں ان کی خوشی اور والدہ ہی کی راحت ہی میں ان کی راحت تھی، وہ ان کی خوشی کی خاطر ہر طرح کی تکلیف اٹھاسکتے تھے اور ہر طرح کی قربانی دے سکتے تھے۔

ہر ہفتہ انہی کی خوشی کے لیے لکھنؤ سے رائے بریلی آتے، جبکہ یہ وہ زمانہ تھا کہ سفر نہایت دشوار تھا، رائے بریلی کے لیے صرف ایک ہی دوٹرینیں تھیں اور وقت سے بے وقت ہونا ان کا معمول تھا، آدھا آدھا دن رائے بریلی پہنچنے میں لگ جاتا تھا، بسوں کا کوئی نام ونشان نہ تھا، اسٹیشن سے تکیہ پیدل آنا اور تکیہ سے اسٹیشن پیدل جانا، ۴-۵ رمیل کا یہ فاصلہ ہمیشہ پیدل ہی طے ہوتا تھا، سفر کی یہ سہولتیں تو بہت بعد میں حاصل ہوئیں، سخت گرمی میں جب وہ پیدل گھر پہنچتے تھے تو شیروانی ان کے پسینہ میں تر ہوتی تھی اور اس زمانہ میں تکیہ میں نہ بجلی تھی نہ پنکھا، جس طرح دن گزرتا تھا اور جس طرح رات بیتتی تھی وہ وہی جان سکتا ہے جس نے وہ دن گزارا اور رات بتائی، لیکن والدہ کی خوشی ان کی ہر تکلیف میں راحت کا سامان پیدا کردیا کرتی تھی۔

بھائیوں کے ساتھ ان کا معاملہ خواہ وہ بڑے بھائی مولانا سید محمد ثانی حسنیؒ ہوں یا چھوٹے بھائی مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندویؒ جس نے یہ محبت نہیں دیکھی وہ شاید یہ محبت سمجھ بھی نہ پائے، ذرا سوچئے چند گھنٹوں کے بعد سفر ہے، ساری تیاری مکمل ہے، تقریباً پانچ افراد پر مشتمل پورا الگ قافلہ ہے، عین وقت پر چھوٹے بھائی پر جن کو سفر سے ذرا بھی مناسبت نہ تھی، سفر کا اثر پڑنے لگتا ہے اور وہ سفر کے لیے اپنے کو تیار نہیں کرپاتا ہے، سفر کینسل کردیا جاتا ہے، چہرہ پر کوئی شکن نہیں، ماتھے پر کوئی بل نہیں، زبان سے ناگواری کا کوئی اظہار نہیں، ایک لفظ منہ سے یہ نہیں نکلتا کہ واضح دیکھو تمہاری وجہ سے یہ سفر نہیں ہو پایا۔

ہر موقع پر خاص طور پر کہیں آنے جانے میں اس کا پورا خیال کہ واضح کو یہ احساس نہ ہو کہ ہمیں اہمیت زیادہ دی جا رہی ہے اور ان کو کم، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو جو مقام دیا تھا اور جو مقبولیت اور محبوبیت عطا فرمائی تھی، اس کا لازمی نتیجہ تھا کہ لوگ دونوں کے درمیان فرق کریں، لانے میں لے جانے میں، بٹھانے میں، ٹھہرانے میں، لیکن مولانا رابع حسنیؒ کا یہ کمال تھا کہ وہ ان کو اس طرح اپنے ساتھ رکھتے تھے کہ یہ فرق کسی موقع پر بھی ظاہر نہیں ہو پاتا تھا، کہیں پر بھی وہ ان کو اپنے سے الگ نہیں ہونے دیتے تھے، نہ ٹرین میں، نہ قیام گاہ میں، نہ جلسہ گاہ میں اور نہ کہیں آنے جانے میں، دو بھائیوں کے درمیان یہ وہ محبت تھی جس کی لوگ مثال دیتے تھے اور دیتے رہیں گے۔

وہ خاندان کے بڑے تھے، بڑوں ہی کی طرح رہے، سب کی فکر، سب کا خیال، رشتوں کا پورا پاس و لحاظ، کہیں جاتے اگر وہاں رشتہ دار ہوتے تو ملنے جاتے، رشتہ دار ملنے آتے تو ان کو پورا وقت دیتے، کوئی بیمار ہوتا تو اس کی عیادت کے لیے جاتے، کئی موقوں پر تو یہ دیکھا کہ کسی کا آپریشن ہے اور اس کو مولانا کی موجودگی سے اطمینان ہو رہا ہے تو مولانا اس وقت تک ہسپتال میں بیٹھے رہے جب تک کہ آپریشن ہوتا رہا، جب آپریشن ہو گیا تو گھر یا ندوہ گئے، یہ مروت، یہ لحاظ، یہ خیال کہاں دیکھنے کو ملتا ہے۔

ان کی خدمت میں رہنے والے اس بات کی گواہی دیں گے کہ کبھی بھی انہوں نے ان میں سے کسی کو نہیں کہا کہ تم نے یہ کام کیوں کیا، یا یہ کہ یہ کام کیوں نہیں کیا؟ بلکہ ان کی خدمت کرنے والے ان سے کہہ دیا کرتے تھے کہ آپ نے یہ کیوں کیا؟ ایک واقعہ ان کی خدمت میں پیش پیش رہنے والے بھائی مصباح الدین نے یہ بیان کیا کہ ایک صاحب بڑی عمدہ کھجور لائے اور وہ کھجور مولانا نے کسی کو ہدیہ کر دی، بھائی مصباح الدین کو جب یہ پتہ چلا تو انہوں نے مولانا سے کہا کہ فلاں صاحب آپ کے لیے کھجور لائے تھے اور آپ نے وہ کسی کو دے دی، مولانا اس پر یہ کہہ سکتے تھے کہ تم سے کیا مطلب، لیکن مولانا نے اس کے جواب میں بڑی نرمی سے کہا کہ چھوڑو اب تو دے دی۔

کبھی نہیں دیکھا کہ انہوں نے کھانے کے سلسلہ میں گھر ہی میں سہی کوئی فرمائش کی ہو یا اپنی پسند کی چیز پکانے کو کہا ہو، ان سے پوچھا بھی جاتا اور پوچھنے والا کوئی غیر نہیں ان کی بیٹیاں ہوتیں تب بھی اپنی پسند کا کوئی اظہار نہیں، بس یہی کہتے کہ جو پکتا ہے وہی ٹھیک ہے۔ نمک کم ہوا تو کچھ نہیں، مرچ زیادہ ہو گئی تب بھی کچھ نہیں، کھانے میں دیر لگتی تب بھی کوئی مسئلہ نہیں، کھانا ان کا گھر سے ندوہ جاتا تھا، کبھی پکنے میں دیر لگی، کبھی لے جانے والے نے تاخیر کی، مہمان خانہ میں سب بیٹھے ہیں، انتظار ہو رہا ہے، پوچھا جا رہا ہے کہ دسترخوان کیوں نہیں لگ رہا ہے؟ جواب دیا جا رہا ہے کہ کھانا لانے والا ابھی آیا نہیں، ایک لفظ شکوہ کا نہیں، نہ لانے والے کے لیے نہ گھر والوں کے لیے، ایسا لگتا تھا کہ گویا کچھ ہیں ہی نہیں۔

چندہ کی رقم کے سلسلہ میں اتنے محتاط تھے کہ ادھر کسی نے رقم دی ادھر مولوی برکت کو بلا کر ان کے حوالہ کی یا پھر کسی کے ذریعہ ان تک بھجوا دی، گھر میں رقم رہے یا ان کے بیگ میں، اس کا تو سوال ہی نہیں اٹھتا تھا۔

سیرت پاک پر کتابیں بہتوں نے لکھیں لیکن ایسے سیرت نگار کم ہوں گے جن کی زندگی میں سیرت پاک کا اتنا اثر نظر آتا ہو اور شاید یہ عمل ہی کی برکت ہے کہ ان کی تحریر کردہ ''رہبر انسانیت'' کو اللہ تعالیٰ نے غیر معمولی مقبولیت عطا فرمائی۔

مولانا مسعود حسن حسنی ندوی (استاد دارالعلوم ندوۃ العلماء۔لکھنؤ)

نہ ستائش کی تمنا نہ صلہ کی پرواہ

اسلام کی آبیاری میں جن لوگوں کا حصہ رہا ہے تاریخ بھی ایسے لوگوں سے خالی نہیں رہی ، تاریخ کا مطالعہ ہمیں بتاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر زمانہ میں ایسے افراد پیدا کرتا رہا ہے جن سے دین کی خدمت کا کام لیا گیا ہے ، جب ہم اپنے ماضی کا جائزہ لیتے ہیں تو ایسی عظیم شخصیتوں کا نام ہمارے ذہنوں میں دوڑنے لگتا ہے ، صحابہ کرام کی جماعت قدسیہ سے کون انکار کرسکتا ہے جن کا ایک ایک فرد پوری امت کا کردار ادا رہا تھا، اسی طرح صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تربیت یافتہ جماعت تابعین کی جماعت تھی جس نے امت کو عظیم فقہی سرمایہ سے روشناس کرایا اور مسائل کے پورے ذخیرہ کو تحقیق وتدقیق کے زاویوں کے ذریعہ ہمارے سامنے پیش کردیا، اس طرح ہر زمانہ میں ایسے افراد امت کو ملتے رہے ہیں جنہوں نے اسلام کی عظیم الشان خدمات انجام دی ہیں ، ان ناموں میں جو زیادہ مشہور ہوئے ہیں ائمہ اربعہ، عمر بن عبدالعزیزؒ، ابوالحسن اشعریؒ، شاہ ولی اللہ دہلویؒ، سید احمد شہیدؒ اور دیگر حضرات ہیں جن کا ذکر کتابوں میں مل جائے گا۔

پھر اس کے بعد مختلف الجہات قسم کی شخصیتیں کم وجود میں آئیں لیکن وہ شخصیتیں وجود میں آتی رہی ہیں جنہوں نے اپنے میدان میں ضرورت کے ہوتے ہوئے کارہائے عظیم انجام دیئے ہیں۔

ان میں زمانہ قریب میں جب مغربی افکار ونظریات کا بحر بیکراں پورے انسانی معاشرہ کو متاثر کررہا تھا اور اسلام کے دریا کو ڈبونے کی فکر میں لگا تھا، اس وقت ایسی شخصیتیں نمودار ہوئیں جنہوں نے مادیت کے اس سیلاب کو نہ صرف روکا بلکہ اس پر کاری ضرب لگائی، اس میں علامہ اقبالؒ کی شخصیت نمایاں شخصیت تھی اور مولانا مودودیؒ نے بھی اپنی تحریروں کے ذریعہ اس کا مقابلہ کیا اور اس زمانہ کی نمایاں شخصیت حسن البناء شہید کی تھی جنہوں نے ایک ایسی جماعت تیار کی جو اسلام کے تئیں نہایت حساس تھی اور اس جماعت نے قرون اولیٰ کی یاد تازہ کرادی۔

جب یہ مادیت کا سیلاب بڑھا اور فکری ارتداد پر لوگوں کو آمادہ کرنا شروع کیا اور اس کے ساتھ دوسرے وہ سیلاب بھی وجود میں آنے لگے جنہوں نے امت اسلامیہ کے افراد کے اندر فکری بے چینی پیدا کی تو اللہ نے اپنے ایک بندہ کے ذریعہ اس کا مقابلہ کرادیا، جس کو لوگ ابوالحسن علی حسنی کے نام سے جانتے ہیں، انہوں نے اپنی تحریروں اور تقریروں کے ذریعہ مادیت کے اس سیلاب پر سخت ترین ضرب لگائی اور اسلام کے بارے میں نئی نسل کے اندر جو بے اطمینانی کی کیفیت پیدا ہو رہی تھی اور اعتماد متزلزل ہو رہا تھا اس کو ختم کیا اور اسلام کے تابناک ماضی کو اس طرح پیش کیا جس نے عقل کے دریچوں کو کھولا اور نئی نسل کے سامنے عقل ونقل کی ایسی دلیلیں دیں کہ لڑکھڑاتے قدم ماضی کے دریچوں میں مضبوطی کے ساتھ جم گئے اور حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ نے ایک ایسی نسل تیار کردی جس کو اپنے ماضی سے جڑنے میں فخر

محسوس ہوتا تھا اور مادیت کے نہاں خانوں سے گھن آتی تھی، ان کے سینے دل دردمند سے بحرہ ور تھے اور اپنے تابناک ماضی کو یورپ کے ایوانوں میں پیش کرنے کا جذبہ رکھتے تھے، ان کے اندر اخلاص تھا للّٰہیت تھی ، وہ صلاح وتقویٰ سے آراستہ تھے، کبھی بھی وہ یورپ کی مادہ پرستانہ تحریک سے متاثر نہیں ہوئے، درہم ودنانیر کی چمک سے کبھی ان کی نگاہیں خیرہ نہیں ہوئیں، وہ اسلام کے تئیں وفاداری کی قسم کھا چکے تھے، ان کی زندگی کا مقصد اسلام کی آبیاری اور دین محمدی ﷺ کی پوری دنیا میں تنفیذ تھا۔

وہ ان لوگوں میں سے تھے جن کی نگاہیں دورس اور دوربین تھیں، یہ دراصل وہی لوگ تھے جن کے بارے میں قرآن مجید میں رب العالمین نے فرمایا ہے کہ وہ آنکھ بند کرے سجدہ میں نہیں جاتے مؤمنین کی جو صفات ﴿قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ﴾ میں بیان کی گئیں وہ اس کا نمونہ بن چکے، انہی شخصیات میں ایک عظیم شخصیت حضرت مولانا سید رابع حسنی ندویؒ کی تھی، انہوں نے اپنے آپ کو اپنے عظیم ماموں حضرت مولانا سید ابوالحسن ندویؒ کا پرتو بنالیا، ان کی ایک ایک ادا اور ایک ایک فکر کو اپنے دل ودماغ کے نہاں خانوں میں سمولیا تھا، حضرت مولانا سید محمد ثانی حسنی کی وفات کے بعد اور حضرت مولانا محمد الحسنیؒ کی وفات کے بعد حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی کے سب سے زیادہ معتمد علیہ بن گئے تھے ، ایسے صائب الرائے تھے کہ حضرت مولانا ہر مسئلہ میں انہی سے رائے لیتے تھے ، حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندویؒ کی تربیت میں خاص طور پر دو آدمیوں کا حصہ نظر آتا ہے ، ان میں ایک شخصیت حکیم عبدالعلیؒ کی ہے جن کو تربیت کا خاص ملکہ حاصل تھا اور خاندان کے تمام افراد جوان سے وابستہ تھے وہ ان کی تربیت کرتے تھے، علمی تربیت، اخلاقی تربیت، دینی تربیت کرنے میں وہ نہایت ہی ممتاز شخصیت کے حامل تھے۔

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندویؒ کا جہاں تک تعلق ہے تو ان کے حوالہ جو کام کیا جاتا وہ اس کو کرتے اور کبھی بڑوں کے حکم عدولی کے مرتکب نہ ہوتے تھے، ان کا کہنا تھا کہ ایک مرتبہ ماموں صاحب (حکیم عبدالعلی) نے ایک انگریزی کی کتاب ہمیں ترجمہ کے لیے دی، مجھے انگریزی نہیں آتی تھی لیکن میں نے وہ کتاب لے لی اور ترجمہ کرنا شروع کردیا، آدھی کتاب ترجمہ کرنے میں بڑی محنت لگی، بار بار ڈکشنری دیکھنے کی ضرورت پڑتی تھی لیکن پھر آدھی کتاب میں وہ محنت نہیں پڑی بلکہ آسانی کے ساتھ اس کا ترجمہ ہوگیا۔

کہنے کا مقصد یہ ہے کہ انسان جب کسی کام کو کرنے کا ارادہ کرلے تو اللہ رب العزت آسانی پیدا کرتے ہیں۔

اسی طریقہ سے ڈاکٹر صاحب نے جزیرۃ العرب لکھنے کا حکم دیا، مولانا نے اس کام کو بحسن خوبی انجام دیا اور یہ کتاب کتب بیں حلقہ کے لیے ایک عظیم سرمایہ بنی، اس کے علاوہ مولاناؒ کے اندر لوگوں کے لیے کام آنے کا ایسا جذبہ تھا کہ خاندان کے افراد اپنے علاج اور اپنی ضروریات کے لیے مولاناؒ سے مدد کے طالب ہوتے تھے اور مولاناؒ ان کے کام آتے تھے، یہ صفت سید احمد شہیدؒ کے ذریعہ مولانا میں منتقل ہوگئی تھی۔

اسی طرح دوسری شخصیت جن کی تربیت میں مولاناؒ رہے وہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنیؒ کی ہے، جن کے ساتھ مولانا ایسے منسلک ہوئے کہ زندگی کے آخری ایام تک حضرت مولانا سے وابستہ سفر وحضر میں ساتھ رہا۔ مولاناؒ نے حضرت مولاناؒ سے علمی استفادہ تو کیا ہی روحانی استفادہ بھی کیا اور حضرت مولاناؒ کے مجاز

بیعت ہوئے اور پھر وہ حضرت مولاناؒ کے مشیر خاص ہوئے، حضرت مولانا جن تحریکوں سے وابستہ تھے، ہر مسئلہ میں وہ مشورہ مولاناؒ سے کرتے تھے، ایک مرتبہ حضرت مولاناؒ نے اپنی بہن سے کہا کہ رابع اور واضح کی مثال نہیں ، حضرت مولاناؒ کو جو محبت ان دونوں بھائیوں سے تھا وہ کم دیکھنے میں ملتا ہے، مجھے یاد ہے کہ جب حضرت مولانا تکیہ رائے بریلی میں ہوتے تھے اور یہ دونوں بھائی اپنی والدہ سے ملنے رائے بریلی جمعرات کو آتے تھے تو حضرت مولاناؒ گھر کے بچوں کو بار بار باہر بھیجتے کہ دیکھو رابع واضح آگئے یا نہیں آئے اور جب تک یہ دونوں آ نہ جاتے ان کو اطمینان نہ ہوتا۔

ان دونوں حضرات کا اپنی والدہ سے ملنے کا یہ معمول ایسا تھا جس میں کبھی تخلف نہیں ہوا اور ان کی والدہؒ پورے ہفتہ ان دونوں کے آنے کا انتظار کرتی تھیں اور ان کے لیے مونگ کا حلوا بنا رکھتیں تھیں اور پلاؤ پکواتی تھیں ، یہ چیزیں آج کے اس پر آشوب دور میں جب کہ نفسا نفسی کا عالم ہمیں اخلاص وللّٰہیت اور والدین کے ساتھ حسن سلوک اور معاشرہ کے ہم آہنگ رہنے کا ایک پیغام دیتی ہیں ، یہ ہمیں سبق دیتی ہیں کہ ایک انسان جو بڑا بنتا ہے اس کے پس منظر میں کچھ ایسی چیزیں چھپی ہوتی ہیں جس کی تہوں میں جانا ہمارا فرض بنتا ہے۔

والدہ کی بیماری کے موقع پر تقریباً روزانہ لکھنؤ سے رائے بریلی تکیہ آتے تھے، اس کے علاوہ خاندان کے افراد کی خبر گیری رکھنا اور فکر کرنا ان کی زندگی کا حصہ تھا، اپنے خاندان کے افراد کو عزیز واقارب کی مدد کی تلقین کرتے تھے، ضرورت کی بنیاد پر دنیا کو برتنے، بے ضرورت کاموں کے کرنے کے قائل نہیں تھے اور جتنی ضرورت ہوتی اتنا کرتے تھے، ان کے پردادا اور دادا بڑے زمیندار تھے، لیکن ان لوگوں نے کبھی بھی جائداد کو اصل نہ سمجھا، اپنے دونوں ماموؤں اور اپنی والدہ کی تربیت کی وجہ سے علمی کاموں سے ایسے وابستہ ہوئے کہ جائداد پر کوئی توجہ دنہ دی جس کی وجہ سے سیکڑوں بیگھوں زمین پر لوگوں نے قبضہ کرلیا اور اس کی ذرا بھی فکر ان تینوں بھائیوں اور ان کی اولاد کو نہ ہوئی، ان کے سامنے علمی ماحول سے وابستہ ہونا اور علم کو اپنی زندگی کا اوڑھنا بچھونا بنانا ہی اصل اہمیت کا حامل تھا، مولانا کی ایک ممتاز خصوصیت یہ تھی کہ وہ خاندان کے افراد کی نہ صرف یہ کہ خبر گیری رکھتے تھے اور موقع بموقع تعاون کی ضرورت ہونے کی صورت میں ان کا تعاون بھی کرتے تھے، اس کے علاوہ غریبوں کی مدد اس طرح کرتے تھے کہ کسی کو اس کا احساس بھی نہیں ہوتا تھا۔

اسی طرح ایک ممتاز خصوصیت غیبت نہ کرنا تھا، مجھ کو یاد ہی نہیں کہ کبھی انہوں نے کسی کے بارے میں غیبت کی ہو یا اس پر بہتان باندھا ہو، ان کا دل صاف وشفاف آئینہ کی طرح تھا۔ حسد، کینہ سے پاک، تکبر وریا دے دور، تواضع وانکساری کے پیکر، علم وحسن اخلاق سے آراستہ، وقار وسنجیدگی کے آئینہ دار، متانت و بردبادی واستقلال کی صفت سے متصف ، کسی کی تکلیف سے ان کو تکلیف ہوتی تھی، کسی کی پریشانی ان کو پریشان کردیتی تھی، امت کا درد ایسا دل میں سما گیا تھا کہ ہر وقت امت کی فکر میں کڑھتے تھے، دینی بے راہ روی پر بے چین ومضطرب ہوجایا کرتے تھے، جب تنہائی میں ہوتے تو دعاؤں کا ایسا نرالا انداز کہ دیکھنے والا دیکھتا تو لگتا کہ رب العالمین سے گفتگو کررہے ہیں، رات کی تنہائیوں میں روتے ،امت کے لیے بے چین رہتے، زبان سرکار دوعالم ﷺ کے اسلوب کا آئینہ دار تھی ، آپ ﷺ کے بارے میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نہ لعان

تھےاور نہ طعان۔

مولانا کے بارے میں کوئی یہ بات نہیں کہہ سکتا کہ انہوں نے کبھی سخت کلامی کی ہو، زبان ان کی ہمیشہ ناپسندیدہ کلمات کے نکالنے سے محفوظ رہی، قلم کی جولانی میں الفاظ کی سختی نہ آسکی، یہ شان صرف اللہ رب العزت کے ان بندوں کی ہوتی ہے جن کا انتخاب اللہ رب العزت کی طرف سے ہوتا ہے اور ایسا ہوتا ہے کہ دنیا رشک کرتی ہے، پھر یہ انتخاب ایسا ہوتا ہے کہ ہر چند میں اس کو منتخب کرلیا جاتا ہے اور اس کو محبوب الخلائق کا مرتبہ عطا کردیا جاتا ہے اور کوئی بھی ایسا کام لے لیا جاتا ہے جو اس کو تجدید کے منصب پر فائز کردیتا ہے، اس میں صلاحیتیں نہیں دیکھی جاتیں، تفقہ نہیں دیکھا جاتا، علم کی سیطرت وغلبہ نہیں دیکھا جاتا، لوگوں کا ہجوم، امارت وسیادت نہیں دیکھی جاتی۔

یہ محض فضل خداوندی کی جانب سے ایک عطا ہوتی ہے جو اللہ رب العزت اپنے خاص بندوں کو عطا فرماتا ہے، اس میں تواضع، تذلل کی کیفیت اللہ کو پسند ہے، اپنے نبی ﷺ سے ایک والہانہ تعلق کو اہم دخل حاصل ہے، آپ ﷺ کے اسوہ کو اپنانا اس کی بنیاد ہے۔

مولاناؒ کے ساتھ بھی رب العالمین کا خصوصی فضل یہ رہا کہ اللہ رب العزت نے امت کی فلاح وبہبود، اتفاق واتحاد اور باطل نظریات کی بیخ کنی کے لیے ان کو منتخب فرمایا، امت ان پر یکجا ہوئی اور بہت سے ایسے کام اللہ رب العزت کی طرف سے ان سے لیے گئے جس سے وہ مثال بن گئے اور بڑوں کے شانہ بشانہ کھڑے نظر آتے ہیں، تفصیل کے لیے یہ مضمون ناکافی ہے، اس میں اشاروں سے کام لیا جاسکتا ہے۔ کسی نے ملوکیت کے بعد خلافت کے فریضہ کو انجام دیا، تو کسی نے تدوین فقہ واحادیث کی آبیاری کا کام کیا، کسی نے اعتزالی فکر کی بیخ کنی کی، کسی نے الحاد ودہریت کی فضا کو ختم کیا، یورپ کے مادیت پرستانہ نظام پر کسی نے کاری ضرب لگائی، آپسی جھگڑوں کو کسی نے ختم کیا، کسی نے خلق قرآنی کے مسئلہ میں کسی مداہنت سے کام نہیں لیا تو کسی نے باطل نظریات وعقائد کی بیخ کنی کی تو کسی نے عدالت صحابہ کو مجروح ہونے سے بچایا۔

اللہ تعالیٰ نے مولانا کو جو فراست دینی کا وافر حصہ عطا کیا تھا، تقریباً ۷۰/ سے ۸۰/ سال انہوں نے دارالعلوم ندوۃ العلماء کی خدمت کی، اس مدت میں مولانا نے جس طرح ذمہ داروں اور اساتذہ کے درمیان اتفاق واتحاد کی فضا کو قائم رکھا اور ہر قسم کی غلط فہمیوں کے ازالہ میں جو کردار ادا کیا وہ خالصتاً لوجہ اللہ تھا۔

مولانا کا اصول یہ تھا کہ بڑوں کے ساتھ ناانصافی نہ ہو اور چھوٹوں کی حق تلفی بھی نہ ہو، اسی طرح طلبہ کے سلسلہ میں وہ بڑے حساس طبیعت کے مالک تھے، ان کی رائے تھی کہ اساتذہ کو طلبہ کے ساتھ باپ جیسا معاملہ کرنا چاہیے، جب وہ طلبہ سے باپ کے جیسا مشفقانہ تعلق رکھیں گے تو طلبہ بھی ان کو باپ کا رتبہ دیں گے اور ایک ایسا معاشرہ وجود میں آئے گا جو محبتوں اور الفتوں سے ہم آہنگ ہوگا۔

مولانا کی ایک بڑی خصوصیت جود وسخا کی تھی، اکرام ضیف ہر وقت مدنظر رکھا، حدیث "ومن کان یؤمن باللہ والیوم الآخر فلیکرم ضیفہ" کی بنیاد پر ہر مہمان کا اکرام کرتے، جب تک مولانا صحت مند تھے بارہا دیکھا گیا جو مہمان آتا یا مولانا کا شاگرد آتا جو مولانا سے متعلق رہا ہوتا، یا حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنیؒ سے متعلق ہوتا تو مولانا گھر پر اس کی ضیافت کرتے تھے۔

مولانا کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ بڑے بڑے معاملات کو نہایت خاموشی اور خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دیتے تھے

۔کوئی کتنی سخت بات مولانا کے بارے میں کرتا اس کا جواب نہیں دیتے، خاموشی سے ان کو نظر انداز کر دیتے، کوئی ان سے کسی کے بارے میں کسی قسم کی شکایت کرتا تو اس کو خاموشی سے ٹال جاتے، اس پر کسی طرح کا ردعمل ظاہر نہ کرتے۔

ایک بار کسی نے ان سے کسی بارے میں شکایت کی اور اس کے عمل پر ناراضگی کا اظہار کیا تو مولانا نے بس اتنا کہا کہ تم سے تمہاری زبان کے بارے میں پوچھا جائے گا اور ان سے ان کی زبان کے بارے میں پوچھا جائے گا۔

مولانا ذاتی بنیاد پر کبھی کسی کے خلاف کاروائی نہیں کرتے تھے بلکہ ہر فرد اور ہر ملازم کی خیر خواہی کا جذبہ ان کے اندر موجزن تھا۔ ہاں شریعت کی بنیاد پر جس کو وہ سہی سمجھتے عمل کرتے تھے لیکن فوری طور پر جذبات کے دائرہ میں بہہ کر کسی قسم کی کاروائی سے وہ پرہیز کرتے تھے بلکہ خطوط لکھ کر سمجھانے کی کوشش کرتے اور صحیح کو اختیار کرنے کا مشورہ دیتے، اس کے بعد پھر اس معاملہ کو اہل شوریٰ کے سامنے رکھ کر ان کی رائے لے کر کوئی فیصلہ کرتے۔

مولانا کو اللہ تعالیٰ نے جو حساس دل دیا تھا، تقویٰ و پرہیز گاری، تواضع وانکساری واستغناء کی جو کیفیت عطا کی تھی، اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ان کو بے اختیار مقبولیت عطا کر دی تھی، بقول مولانا عبد العزیز صاحب کہ حضرت مولاناؒ کی بزرگی محض عطاء خداوندی ہے، لہٰذا ان کی مخالفت یا معارضت گویا اللہ رب العزت کی تقسیم پر اعتراض ہے اس سے سب کو بچنا چاہیے۔ مولاناؒ کا کہنا تھا کہ مجھ کو جو بھی عہدے یا چیزیں ملیں، اس میں کبھی بھی میری کوشش کا دخل نہیں، اس سلسلہ کا ایک واقعہ مولانا اکثر سنایا کرتے تھے کہ جب مولانا عمران خان مہتمم تھے تو اس وقت تک میں نہ استاد مقرر ہوا اور نہ کسی شعبہ میں تھا تو انہوں نے میرے نام کی سفارش شوریٰ کے جلسہ میں کی جس کو باتفاق رائے منظور کر لیا گیا، اس طرح مولاناؒ کا تقرر ہوا۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک ایسی شخصیت تھی جس نے ہر کام خالصتاً رضاء الٰہی کی بنیاد پر کیا، بزرگوں کے حسب ایماء کیا، اپنی ذات کو تج دیا، زندگی کی رعنائیوں کو پس پشت ڈال دیا، اپنے بڑوں کے لیے اپنے کو مٹایا، تو اللہ رب العزت نے ان کو بلند کر دیا اور ایسے افراد ان کو عطا فرما دیئے جو ان سے محبت کرنے والے تھے اور ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے مخلصین کے کاموں کی حفاظت کرتا ہے، لہٰذا ان کے کاموں کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایسے افراد تیار کرا دیئے جو اخلاص کے ساتھ ان کے کاموں کو آگے بڑھانے میں لگے ہوئے ہیں، اللہ تعالیٰ حضرت کی مغفرت فرمائے اور ان کے جانشینوں کی جان مال وصحت کی حفاظت فرمائے اور ہر فتنہ سے سب کو محفوظ رکھے۔

قرآن مجید
رہبر کامل

''یہ کتاب (قرآن مجید) انسانی مخلوق کی صحت مندانہ زندگی کا دستور بنائی گئی ہے اور انسان کی اور انسان ہی سے ملتی جلتی دوسری مخلوق جنات کے لیے بھی اخلاقی و دینی زندگی کا دستور بنائی گئی ہے، زندگی کا کوئی شعبہ صحت مندانہ اور شریفانہ کردار کا حامل اس کی رہنمائی سے باہر نہیں، وہ ایسا دستور حیات ہے کہ انسانی زندگی جب تک اس سے کچھ بھی جڑی رہے گی، اس پروردگار عالم کے نام کی مدد اس کو حاصل رہے گی، کیونکہ ساری کائنات اور مخلوقات کا وجود اسی کے نام کی سرپرستی سے جڑا ہوا ہے، یہ سرپرستی جس وقت بھی ٹوٹے گی تو یہ کائنات بکھر جائے گی، لہٰذا اس کائنات کی بقا کے لیے اس کے نام اور نام کی تفصیلات جن پر اس کا کلام مقدس یعنی قرآن مجید مشتمل ہے، اس کا سہارا سب کی بقا کے لیے لازمی ہے۔'' (رہبر کامل: ۲۹-۳۰) حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندویؒ

محمد ملی حسنی ندوی (رفیق دارعرفات تکیہ کلاں-رائے بریلی)

چچا میاں کی دل آویز شخصیت

جانشین مفکر اسلام حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندویؒ رشتہ میں میرے چچا تھے اور ہم انہیں ''چچا میاں'' ہی کہتے تھے، راقم الحروف اپنے بچپن میں جب والد ماجد کے ساتھ جدہ میں رہتا تھا، اس زمانہ میں ابا جان (حضرت مولانا علی میاں ندویؒ) اور ان کے ساتھ چچا میاں کا حجاز مقدس آنا جانا ایک عام بات تھی، ابا جان اور چچا میاں جب وہاں تشریف لاتے تو اکثر وبیشتر ہمارے گھر پر بھی تشریف لاتے، بچپن کی یادیں ہونے کے باوجود آج بھی ان خوش گوار اور حسین لمحوں کی یادیں تازہ ہیں۔

ہمارے لیے بچپن ہی کے زمانہ سے چچا میاں کی ذات انتہائی قابل عزت واحترام تھی، کیونکہ جب چچا میاں حجاز مقدس آتے تو اس کے اگلے ہی دن ہمارے والد ماجد فجر کی نماز کے بعد ہم سے کہتے کہ جلدی ٹی وی آن کرو، آج صبح سب سے پہلے تمہارے چچا میاں کا پروگرام نشر ہورہا ہوگا۔ ہم جب ٹی وی آن کرتے تو حسب معمول چچا میاں عربی زبان میں تقریر فرما رہے ہوتے، اس وقت ظاہر ہے ہمارے لیے کچھ سمجھنا ممکن نہ تھا لیکن پھر بھی بڑے شوق سے ہم تب تک ٹی وی کے سامنے بیٹھے رہتے جب تک چچا میاں تقریر کرتے۔

جب ہم لوگ جدہ سے اپنے گھر شفٹ ہوگئے اور راقم نے دینی تعلیم حاصل کرنے کا ارادہ کیا تو ندوہ میں خصوصی درجات کے لیے رہنمائی اور وہاں تک رسائی چچا میاں ہی کے ذریعہ ممکن ہوئی، پھر زمانہ طالب علمی میں چچا میاں کی رہنمائی مستقل حاصل رہی۔

چچا میاں کی دل آویز شخصیت ہر ایک کے لیے متواضع وملنسار اور محبت کرنے والی تھی، اپنے قریبی اور دور کے سبھی رشتہ داروں کے ساتھ بھی ان کا معاملہ یکساں تھا بلکہ بعض اوقات زیادہ ہی تھا، رشتوں کے پاس ولحاظ کا انہیں بہت خیال تھا، ہر ایک کی خبر رکھنا، ہر ایک کی فکر رکھنا اور اگر ممکن ہوسکے تو چل کر جانا یہ سب خوبیاں چچا میاں کے مزاج میں شامل تھیں۔

والد ماجد کی وفات کے بعد چچا میاں نے اس عاجز کے ساتھ جس محبت وشفقت اور کرم کا معاملہ فرمایا، اس کا منظر آج بھی نگاہوں کے سامنے ہے، ان کی وفات کے بعد متعدد لوگوں نے یہ لکھا اور کہا ہے کہ حضرت کی وفات سے یتیمی کا احساس ہوا، سچی بات یہی ہے کہ چچا میاں کی وفات سے مجھے بھی شدت سے یہی احساس ہوا کہ اب ہم بے سایہ ہوگئے، اب ہم یتیم ہوگئے، اب کوئی ایسا نہ رہا جس سے مل کر سکون حاصل ہو، کوئی ایسا نہ رہا جو ہمارے والد کے قائم مقام ہو، کوئی ایسا نہ رہا جو ہم پر گھنے بادل کی طرح سایہ فگن ہو۔

چچا میاں کی خدمت میں جب بھی حاضری ہوتی تو بڑی محبت وشفقت کے ساتھ فرماتے کہ تم ہمارے لیے بہت عزیز ہو، ہمیں تم سے بہت محبت ہے، تمہارے والد ہمارے بھائی تھے، ان کے ساتھ ہمارے بچپن کی بڑی خوبصورت یادیں وابستہ ہیں۔ کبھی کبھی ملاقات میں کوتاہی پر تنبیہ بھی فرماتے، ایک دفعہ جب کسی کو ملوانے لے گئے تو فرمایا کہ تم مصباح کے لڑکے ہونا؟ یہ کہہ کر فرمایا کہ ملتے رہا کرو، ورنہ اسی طرح بھول جائیں گے، اس وقت تمام اہل خانہ جمع تھے، چچا میاں کی یہ بات سن کر میرے پاس سوائے شرمندگی کے کچھ نہ تھا، گھر کے تمام افراد ان کی اس بلیغانہ نصیحت پر اندر ہی اندر محظوظ ہورہے تھے اور میں سراپا شرم سار تھا، مگر انہوں نے اخیر وقت تک جس طرح کی شفقت اور محبت فرمائی اس کی مثال نہیں ملتی۔

راقم کے گھر میں شادی کے تقریباً دس سال بعد ولادت ہوئی تھی، اس وقت والدین کا سایہ سر سے اٹھ چکا تھا، چنانچہ ایسے خوشی کے موقع پر والدین کا احساس اور ان کی یاد طبعی طور پر ہر ایک کو ستاتی ہے، لیکن

قربان جایئے چچا میاں پر جنہیں اگر ایک طرف اس بات کا احساس تھا کہ وہ عالمی درس گاہ ندوۃ العلماء کے ناظم ہیں، مسلمانوں کے متحدہ پلیٹ فارم آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے صدر ہیں اور بے شمار دینی اداروں وتنظیموں کے روح رواں ہیں تو دوسری طرف انہیں یہ احساس بھی بڑی شدت کے ساتھ تھا اور وہ اس کو بخوبی نبھانا بھی جانتے تھے کہ وہ اپنے خاندان کے سرپرست ہیں، ہر ایک کی خبر گیری کرنا ان کا فرض ہے اور دکھے دلوں کو جوڑنا اور بہتے آنسو پونچھنا ان ہی پر لازم ہے۔ شاید یہی وجہ تھی کہ جب چچا میاں نے راقم کے گھر میں ایک طویل عرصہ کے بعد ولادت کی خبر سنی تو انتہائی خوشی کا اظہار فرمایا، دیر تک بات کی اور ڈھیروں مبارک باد دی اور بڑی دعائیں دیتے رہے، پھر جب جمعرات کے دن ندوہ سے اپنے گھر تشریف لائے تو ان کی خدمت میں حاضری ہوئی، اس موقع پر بھی آپ انتہائی شفقت سے پیش آئے اور دیر تک اس طرح گفتگو کی کہ والد کی کمی کا احساس تک نہ ہونے دیا۔

چچا میاں اپنے چھوٹوں کی تعلیم وتربیت اور ان کا دینی مزاج بنانے کی بہت فکر رکھتے تھے، اسی کے ساتھ اگر وہ کسی میں کوئی نمایاں خوبی دیکھتے یا کسی کے اندر ممتاز صلاحیت کا اندازہ ہوجاتا تو اس کی بڑی ہمت افزائی فرماتے اور بلند کلمات ارشاد فرماتے، بالخصوص اپنے افراد خاندان کی علمی لیاقت دیکھ کر بڑی خوشی ہوتی تھی اور بعض اوقات وہ اس کا ذکر بھی کرتے تھے۔ میرے لیے وہ لمحہ عید سے کم نہیں جب رمضان کے موقع پر کسی مہمان نے ان کے سامنے کمپیوٹر اور ٹکنالوجی کی دلچسپ باتیں بیان کیں اور چچا میاں نے ان سے اس عاجز کا نام لے کر یہ فرمایا کہ ہمارے خاندان میں بھی ہمارا ایک بھتیجہ ہے جس کو ان چیزوں سے بڑی دلچسپی ہے۔

رمضان المبارک میں جب آپ کی طبیعت خاصی ناساز چل رہی تھی، سخت نزلہ اور بخار کی شکایت تھی، سانس لینے میں تکلیف ہورہی تھی اور بات کرنا بھی مشکل تھا، ۱۴ رمضان کو جب مرض نے شدت اختیار کرلی تو تراویح سے فارغ ہوکر راقم الحروف فوراً چچا میاں کے گھر پر حاضر خدمت ہوا، دیکھا کہ چچا میاں کی کیفیت اطمینان بخش نہ تھی، راقم نے پہنچ کر جو خدمت کی توفیق حاصل ہوئی اس کو کرنے کی کوشش کی، اس وقت استنجا میں اتنا وقت لگ چکا تھا کہ جسم میں جو معمولی سی توانائی تھی وہ بھی بے حد کمزور پڑ چکی تھی، فارغ ہوئے تو کھڑا ہونا مشکل تھا اور اس حالت میں تھے کہ استنجا خانہ سے نکل کر بیڈ پر بٹھانے میں بھی سہارا دیا گیا، ظاہر ہے اس وقت کیفیت ایسی تھی کہ چچا میاں کے لیے آنکھیں کھولنا بھی مشکل تھا، لیکن اتنا ہوش وحواس میں ضرور تھے کہ ہر ایک کی آواز سن رہے تھے اور اچھی طرح آس پاس کے پورے ماحول سے واقف تھے، اسی دوران جب انہوں نے میرے بولنے کی آواز مسلسل سنی، تو بڑی ہمت کے ساتھ آنکھیں کھولیں اور فرمانے لگے کہ ارے مکی! کیسے ہو، تمہارے ابا میرے بھائی تھے، ان کے ساتھ بچپن کی بڑی یادیں ہیں، اسی لیے ہمیں تم سے بھی بڑا تعلق ومحبت ہے، ہماری طبیعت خراب رہتی ہے، اس لیے ہم زیادہ یہاں نہیں آسکتے اور یہی وجہ ہے کہ تم سے ملاقات بھی بہت کم ہوپاتی ہے۔ تم ضرور آجایا کرو، تم سے مل کر بڑی خوشی ہوتی ہے۔ ہم شرمندہ سر جھکائے غور کررہے تھے کہ اللہ نے آپ کی شخصیت کو کیسا دل آویز بنایا ہے کہ تکلیف کے اس عالم میں بھی آپ سے اپنے چھوٹوں کے ساتھ شفقت ومحبت کے انداز نہیں چھوٹے۔

اگلے روز جمعہ کی نماز کے بعد راقم الحروف بنگلہ حاضر ہوا، دیکھا کہ طبیعت رات سے بھی زیادہ خراب ہوچکی ہے، آکسیجن کا سلینڈر بھی لگانے کے لیے انتظامات جاری ہیں اور ہر ایک فکرمند ہے، کچھ دیر دور ہی سے آپ کی زیارت کی، پھر اسی روز عصر کے وقت آپ کو ندوۃ العلماء لکھنؤ لے جایا گیا، جہاں علاج کی بہتر صورتیں ممکن تھیں، وہاں تقریباً ایک ہفتہ آپ زیر علاج رہے، مگر بالآخر ملت اور خانوادۂ حسنی کا یہ روشن آفتاب غروب ہوگیا اور پوری امت اس کے داغ مفارقت سے غمگین ہوگئی۔ لاکھوں لوگوں نے نماز جنازہ میں شرکت کی اور اگلے روز ہزاروں افراد نے پرنم آنکھوں سے سپرد خاک کیا۔

مولانا منصور حسن حسنی ندوی (استاد دارالمبلغین -لکھنؤ)

محبوب ترین شخصیت

۲۱؍رمضان المبارک ۱۴۴۴ھ کو ہمارے خاندان کے لیے وہ حادثہ پیش آیا جس نے پورے خاندان کو ہلاکر رکھ دیا، بلکہ پوری ملت اسلامیہ کو جھنجھوڑ دیا، یہ حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی ناظم ندوۃ العلماء کا سانحۂ وفات تھا، آپ برصغیر کی ممتاز اور غیر معمولی شخصیت کے طور پر زندگی گزار کر رمضان المبارک کی بابرکت ساعتوں میں اپنے رب کے حضور حاضر ہوئے، حضرت مولاناؒ خانوادہ علم اللّٰہی کے گل سرسبد اور اپنے جد امجد حضرت شاہ علم اللہ حسنی قدس اللہ سرہٗ کے سچے جانشیں اور اُن کے حقیقی وارث ہوئے جس طرح حضرت شاہ علم اللہ حسنی قدس اللہ سرہٗ سنت نبویؐ کے پیروکار تھے، اُسی طرح آپؒ بھی ان کے نقش قدم پر گامزن رہے، پوری زندگی اتباعِ نبویؐ میں گذار دی، کوئی کام سنت کے خلاف نہیں کیا، ہر کام میں رضائے الٰہی کو ملحوظ رکھا، نیت کی درستگی کا غیر معمولی اثر ان کی زندگی پر تھا اور اللہ رب العزت کی طرف سے فتوحات کے دروازے اُن پر کھلتے چلے گئے۔ انعامات کی بارشیں اُن پر ہوتی چلی گئیں، اپنے معاصرین سے ممتاز ہوکر اپنے اسلاف کی صف میں شامل ہو گئے، اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو جو ایمان اور عمل صالح اختیار کرتے ہیں اور تواضع و انکساری سے پیش آتے ہیں، اُن کو دین و دنیا کی سرخ روئی عطا فرما کر محبوب خلائق معظم ومکرم بنادیتا ہے۔ ایسے ہی لوگوں کے لیے قرآن شریف میں بشارت دی گئی ہے: ﴿إِنَّ الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَيَجْعَلَ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا﴾ حدیث شریف میں تواضع و انکساری کا انعام رفعت وعظمت سے تعبیر ہے: "ماتواضع أحد للّٰہ إلا رفعه اللّٰہ"

اچھے ابا کی محبوبیت اور مقبولیت کا یہ راز کھلی آنکھوں لوگوں نے دیکھا، زندگی میں بھی اور انتقال کے بعد بھی، فدائین کا ایک ریلا تھا، محبین کا ایک سمندر تھا، جو بڑی آب وتاب کے ساتھ ٹھاٹھیں مار رہا تھا، جو اللہ کا ہوجاتا ہے اللہ اس کا ہوجاتا ہے، جس کا اللہ ہوجائے تو اس کے کیا کہنے۔ زمین وآسمان، انسان وحیوان، شجر وحجر سے محبت ٹپکتی ہے۔ آسمان وزمین میں اس سے محبت کا اعلان کردیا جاتا ہے۔

حدیث شریف میں آتا ہے اللہ تعالیٰ جب کسی بندہ سے محبت کرتا ہے تو جبرئیل علیہ السلام کو بلاتا ہے اور فرماتا ہے کہ میں فلاں سے محبت کرتا ہوں تم بھی اس سے محبت کرو، چنانچہ جبرئیل علیہ السلام اس سے محبت کرنے لگتے ہیں، جبرئیل علیہ السلام آسمان والوں میں اعلان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اللہ فلاں سے محبت کرتا ہے، تم بھی اس سے محبت کرو، چنانچہ اس سے آسمان والے بھی محبت کرنے لگتے ہیں، پھر اس کے لیے زمین میں قبولیت رکھ دی جاتی ہے، یہ قبولیت کی ہی بات تھی کہ ہر وقت مہمان خانہ میں لوگوں کا ہجوم رہتا، فرداً فرداً بھی لوگ ملتے اور جماعت در جماعت بھی دیدار کرکے سکون حاصل کرتے وہ نوجوانوں کے دلوں کا درماں تھے، ضعیفوں کی تسلی کا سامان تھے، کسی کو صرف دیکھ کر سکون مل جاتا اور کوئی آپ کے بلند اخلاق دیکھ کر آپ کا ہو جاتا، حضرت مولانا کے پاس بیٹھ کر جو سکون ملتا اور جو اطمینان نصیب ہوتا وہ ناقابل بیان ہے، دارالعلوم ندوۃ العلماء کے ایک طالب علم جن کا چند سال پہلے انتقال ہوگیا تھا اللہ ان کو غریق رحمت کرے ان کے والد جو دیہات سے تعلق رکھتے تھے، حضرت مولانا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مجلس میں بیٹھے، حضرت مولانا کو مسلسل دیکھتے رہے اور اٹھتے اٹھتے دیہاتی زبان میں انہوں نے اس طالب علم سے کہا کہ جب تک یہ مولانا رہیں تو قیامت نہ آیہئے۔ اللہ تعالیٰ نے مولانا کو ایسی کشش عطا فرمائی تھیں جس کو ہر شخص محسوس کرلیتا، یہ تقویٰ اور پرہیزگاری کی کشش تھی، تواضع وانکساری کی کشش تھی، استغنا واحسان کی کشش تھی، جود وسخا کی کشش تھی، خاموشی ومتانت کی کشش تھی جس نے لوگوں کو ان کا گرویدہ بنادیا تھا۔

مولانا کی زندگی کا اکثر حصہ اپنے دونوں ماموؤں کی سرپرستی اور رہنمائی میں گذرا۔ اپنے ماموں حضرت مولانا ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنیؒ کے انتقال کے بعد انہوں نے اپنے آپ کو حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی قدس اللہ سرہٗ کے کلی طور پر سپرد کر دیا تھا، ہر کام ان کے ہی مشورہ سے کرتے تھے۔ اپنی طرزِ زندگی میں اُن کا ہی نمونہ اختیار کیا، ان کے طریقہ کو بڑے ذوق وشوق سے لیا، مزاج میں یکسانیت و مشابہت اور سفر وحضر کی رفاقت نے آپ کو مفکر اسلام علیہ الرحمہ کا مثنیٰ بنا دیا تھا، آپؒ نے ان کی جانشینی کا حق ادا کر دیا، آپ بیرونی اسفار میں بطور رفیق و خادم ان کے ساتھ رہے، جو احتیاط حضرت علیہ الرحمہ کے یہاں تھی، اسی احتیاط کے ساتھ پوری زندگی گذاری، اسی لیے حضرت علیہ الرحمہ کا بھرپور اعتماد آپ کو حاصل رہا، ایک موقع پر حضرت علیہ الرحمہ نے اپنی بہن یعنی والدہ حضرت مولانا محمد رابع حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا: میں نے بہت سے اندرونی و بیرونی اسفار کیے لیکن رابع و واضح جیسا نہیں دیکھا۔ شیخین نے بھی اپنے ماموں کو ٹوٹ کر چاہا۔ اپنے والدین کی جیسی خدمت کی وہ اپنی مثال آپ ہے۔ والد صاحب پیرانہ سالی کی وجہ سے کمزور ہو گئے تھے، دونوں بھائی ان کو سائیکل پر بیٹھا کر مسجد لے جاتے تھے، ایک ہینڈل تھامتا تو دوسرا کیریئر پکڑ کے چلتا، والد صاحبؒ بھی ان کو دیکھ کر خوش ہوتے تھے، ایک موقع پر مولانا فرما رہے تھے: جب میرے ماموں جی کے ساتھ اسفار ہوتے تو والد صاحبؒ اسفار کی روداد سنتے اور بے پناہ خوشی کا اظہار کرتے تھے، ہر جمعرات کو والدین کے لیے لکھنؤ سے رائے بریلی تشریف لے جاتے۔ والدہ صاحبہؒ حلوہ اور پلاؤ کا اہتمام کرتی تھیں، ان دونوں کی آمد کی شدت سے منتظر رہتی تھیں، کئی کئی دفعہ کسی نہ کسی کو باہر بھیجتیں کہ دیکھو رابع و واضح آئے کہ نہیں؟ ان کو دیکھتے ہی ان کا چہرہ خوشی سے کھل جاتا تھا۔ حضرت مولانا علیہ الرحمہ نے اپنی والدہ کی عمر پائی، والدہ کی طرح رمضان المبارک میں وفات پائی، اللہ تعالیٰ غریق رحمت فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام نصیب فرمائے۔ آمین!

آپؒ صفت احسان سے متصف تھے، نماز اسی استحضار کے ساتھ پڑھتے تھے کہ "أن تعبد اللّٰه كأنك تراه فإن لم تكن تراه فإنه يراك" کا مصداق ہو جاتے۔ نیت باندھتے وقت ایسی کپکپی طاری ہوتی کہ گویا آپ اپنی آواز کو دبا رہے ہوں کہ دوسرا شخص آپ کی اس صفت کو نہ دیکھ لے۔ ریا اور نام ونمود سے دور رہنے والے تھے۔ ہر کام اللہ کے لیے کرتے تھے۔ تعلق قائم کرتے تو اللہ کے لیے۔ بے تعلق ہوتے تو اللہ کے لیے۔ اتفاق واختلاف میں دین مطمح نظر رہتا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے ہر کام میں برکت ڈال دی تھی جو بھی فیصلہ کیا اس میں بڑی برکت دیکھنے کو ملی۔ اللہ تعالیٰ کی مدد ونصرت شامل حال رہی۔ آپؒ کے بعض فیصلے مجددانہ شان کے حامل تھے جس نے امت کو صحیح نہج پر کار بند رکھا، آپ کے اندر دین وملت کی خدمت کا جذبہ ایسا موجزن تھا کہ کسی کو بھی اصول دین سے ہٹتے اور غلط فکر اور نظریات کا حامل پاتے تو اس کی نکیر کرتے۔ عالم عربی کے حالات پر کڑھتے تھے۔ عرب حکمرانوں کے دین بیزار رویئے سے سخت نالاں تھے جو بھی مؤثر طریقہ ہوتا اس کو اپنانے میں دریغ نہ کرتے، لیکن زبان کو قابو میں رکھ کر خط و کتابت کے ذریعہ کو بہتر وسیلہ سمجھتے تھے۔

مولانا کی ایک صفت دوسروں کی دل آزاری سے پرہیز رہی ہے۔ بے جا دل آزاری تو بڑی بات تھی، بلکہ مولانا کا معاملہ تو ایسا تھا کہ کوئی شخص مولانا کی تحقیر و تنقیص کرتا تو مولانا اس کا جواب نہ دیتے بلکہ صبر وتحمل کرتے، زبان پر کبھی حرف شکایت نہ آنے دیتے۔ عیب جوئی اور غیبت سے دور رہتے۔ نجی مجلسوں میں بھی منفی تبصروں سے احتراز کرتے۔ آپ کے مثبت رویہ سے لوگ مخالفانہ رویہ رکھنے والے کے تعلق سے غلط فہمی کا شکار ہو جاتے۔ بڑی وسعت قلبی کا معاملہ کرتے۔ دین وملت کی تعمیر میں حصہ لینے والوں کا احترام کرتے۔ ان کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے، بشرطیکہ وہ اسلام کے مسلمہ اصولوں کے خلاف نہ ہو، انہی اوصاف کی وجہ سے تمام مکاتب فکر کے اشخاص نے آپ کو اپنا قائد تسلیم کیا۔ مسلم پرسنل لا بورڈ جس میں تمام مکاتب فکر کی نمائندگی ہے سب کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کر کے میں قیادت کا حق ادا کر دیا، آپ ملت اسلامیہ کے لیے نقطہ اتفاق سمجھے جاتے رہے، اللہ تعالیٰ آپ کی کاوشوں کو قبول فرمائے اور ملت کو آپؒ کے نقش قدم پر چلائے۔ آمین!

خلیل احمد حسنی ندوی (استاد مدرسہ ضیاء العلوم-رائے بریلی)

ابا اپنی انفرادی خصوصیات کے آئینے میں

کسی بھی شخصیت کو سمجھنے اور مقام اور مرتبہ کو بلند کرنے کے لیے اس کو چار حیثیتوں سے دیکھنا ہوگا:

(۱) اللہ تعالیٰ سے اس کا تعلق

(۲) صلہ رحمی

(۳) لوگوں سے خیر خواہی

(۴) ملی اور اجتماعی کاموں سے دلچسپی اوران میں شمولیت۔

چاروں میں جب توازن ہوتا ہے تو پھر انسان مثالی بنتا ہے۔

بہت سے ایسے ہوتے ہیں جو عبادت میں بہت بڑھے ہوئے ہوتے ہیں، لیکن رشتہ داروں کے ساتھ معاملہ ان کا خراب ہوتا ہے اور بہت سے ان دونوں پہلوؤں کو تو ساتھ لے کر چلتے ہیں، لیکن غیروں کے ساتھ خیر خواہی کا وہ جذبہ نہیں رکھتے جو ہونا چاہیے اور بعض لوگ ان تینوں حیثیتوں سے ممتاز نظر آتے ہیں، لیکن ملی اور اجتماعی کاموں سے کچھ سروکار نہیں رکھتے اور مولانا سید محمد رابع حسنی ندویؒ کا یہ کمال تھا کہ وہ ان چاروں حیثیتوں سے نہ صرف یہ کہ ممتاز نظر آتے ہیں، بلکہ حقیقت میں مثالی نظر آتے ہیں۔

حضرت علی زین العابدینؒ کے بارے میں (جو حضرت علیؓ کے پوتے او رنواسہ رسول حضرت حسینؓ کے صاحبزادہ ہیں) آتا ہے کہ وہ جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو بدن پر کپکپی طاری ہوجاتی، کسی نے ان سے اس بارے میں پوچھا تو فرمایا کہ تمہیں معلوم ہے کہ میں کس کے سامنے کھڑا ہونے جارہا ہوں او رکس سے مناجات کرنے جارہا ہوں؟

یہ کیفیت حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ میں ہم میں سے ہر شخص محسوس کرتا تھا، اکثر ان کے ساتھ نماز پڑھنے میں یہ ہوتا کہ نماز کے دوران ان پر طاری رقت دیکھ کر دوران نماز میری توجہ ان کی طرف ہوجاتی اور مجھے سجدہ سہو کرنا پڑتا۔

اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہونے کا یہ احساس اوراس کا اتنا اثر جو دل کے ساتھ ساتھ جسم پر بھی پڑنے لگے کم دیکھنے کو ملتا ہے۔

تہجد کی ایسی پابندی جس کی نظیر ملنی مشکل ہے، بارہا میں نے مشاہدہ کیا کہ ابا کے ساتھ سو رہا ہوں، اچانک کسی وجہ سے میری آنکھ کھل گئی، میں نے دیکھا کہ ابا نماز میں مشغول ہیں، گھڑی دیکھی، دو بج رہے تھے، میں نے ابا سے کہا کہ ابھی رات کا ابتدائی حصہ ہے، آپ تھوڑا آرام کرلیں، تو لیٹ جاتے تھے۔ کئی بار ایسا دیکھا کہ کمرہ میں اندھیرا تھا اور میں ان کو لیٹا چھوڑ کر گیا تھا، کچھ دیر کے بعد جب آیا تو یہی سمجھ رہا تھا کہ وہ سو رہے ہوں گے، لیکن جب اندھیرے میں کمرہ میں داخل ہوا تو ہلکے ہلکے رونے کی آواز آرہی تھی اور وہ کچھ کہہ رہے تھے، ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے وہ اللہ میاں سے باتیں کر رہے ہوں، لیکن دوسرے کی آہٹ پاکر ایسے ہوجاتے کہ جیسے وہ سو رہے ہوں۔

ایک معمول آپ کا سفر پر نکلنے سے پہلے دو رکعت نفل پڑھنے کا تھا، یہ معمول تب سے دیکھ رہا ہوں جب میں سن شعور کو بھی نہیں پہنچا تھا، اس وقت سوچتا تھا کہ یہ کون سی نماز ہے، جس کو ابا اتنی پابندی سے ادا کرتے ہیں، طبیعت ناساز ہوتی تو تیمم کرکے نفل ادا کرتے، مگر ترک نہیں فرماتے تھے۔

رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف کا معمول تھا، مگر ادھر دو چار برسوں سے بعض اعذار کی وجہ سے اس کو ترک فرمادیا تھا۔

صلہ رحمی:

صلہ رحمی میں آپ کی نظیر اس دور میں ملنی مشکل ہے، کسی ایسے شہر میں جانا ہوتا جہاں

رشتہ دار موجود ہوں ،رشتہ داری ان سے قریب کی ہو یا دور کی، یا تو ان کے ہاں قیام کرتے ،اگر قیام کرنے میں کوئی عذر ہوتا تو ان سے ملنے کا اہتمام ضرور کرتے اور ہدایا بھی پیش کرتے' تکیہ میں ہوتے تو بیچ بیچ میں صلہ رحمی کی نیت سے ہر گھر میں جانے کی کوشش کرتے ،ہر ایک کی برابر خیریت لیتے رہتے ،آپ کے ایک بھانجے سید حسین حسنی دہلی میں سعودی سفارت خانہ میں تھے، جس کی وجہ سے وہ اپنی فیملی کے ساتھ دہلی میں مقیم تھے، جب بھی دہلی جاتے تو قیام انہی کے یہاں کرتے ،ان کے انتقال کے بعد اپنے ایک دوسرے بھانجہ جاوید فریدی صاحب کے یہاں قیام کا معمول رہا اور اگر کسی صاحب تعلق کے اصرار پر ان کے ہاں قیام کرتے تو بھی باوجود عمر میں غیر معمولی فرق کے خود ملنے تشریف لاتے او رقیام نہ کر سکنے کی وجہ سے معذرت ظاہر کرتے تھے،اسی طرح صلہ رحمی کی نیت سے آپ رشتہ داروں سے ملاقات کی خاطر سفر کرتے ،خاص کر اگر کوئی بیمار ہے تو عیادت کے لیے اس کے ہاں جاتے اور مزاج پرسی کرتے ، آپ کے اطمینان دلانے یا تسلی دینے کا انداز اتنا پیارا ہوتا تھا کہ بیمار اپنے کو صحت یاب یا مطمئن محسوس کرتا تھا، جو اعزہ مالی طور پر کمزور ہوتے ان کی خاص فکر کرتے اور ان کا خاص خیال رکھتے اور ہم لوگوں سے بھی اعزہ کے ساتھ حسن سلوک کی تلقین کرتے رہتے ، بارہا اس کا مشاہدہ ہوا کہ تکیہ میں کوئی بیمار ہوتا، ابا اور اچھے ابا ندوہ میں ہوتے تھے، آپس میں مشورہ کرتے تھے' دن متعین کرتے تھے اور عیادت کی نیت سے تکیہ تشریف لاتے اور عیادت کر کے واپس ہو جاتے تھے۔

لوگوں کے ساتھ خیر خواہی:

لوگوں کے ساتھ خیر خواہی کا یہ معاملہ تھا کہ نہ اپنا آرام دیکھتے ، نہ اپنی راحت، جتنی دیر وہ بیٹھنا چاہتا وہ بیٹھتا، جتنی دیر وہ اپنا حال دل بیان کرنا چاہتا بیان کرتا، آپ پوری توجہ کے ساتھ خیر خواہی کے پورے جذبہ کے ساتھ اس کی باتیں سنتے ،مخلصانہ مشورہ دیتے ،اس کی صحیح رہنمائی کرتے ،کئی بار لوگوں نے کہا کہ لوگ آپ کے پاس آتے اور آپ کی علالت کی پرواہ کیے بغیر آدھے آدھے گھنٹے آپ کے سامنے اپنے مسائل رکھتے ہیں، آپ کا وقت بھی ضائع ہوتا ہے ، آرام میں خلل بھی پڑتا ہے تو جواب دیتے کہ ایک آدمی بڑی امیدوں سے آیا ہے اور وہ کسی نہ کسی مشکل میں مبتلا ہے، ہم اس کی مشکل دور نہیں کر سکتے تو کم سے کم اس کی باتیں سن کر اس کا دل تو ہلکا کر سکتے ہیں، اگر اس کو اپنی بات کہہ کر اطمینان ہو جاتا ہے اور اس اطمینان کا ذریعہ اللہ تعالیٰ ہمیں بنا دیتا ہے تو ہمیں اس میں کاہلی نہیں کرنا چاہیے۔

ایک عادت آپ کی یہ تھی کہ اگر کوئی آپ سے دعا کی درخواست کرتا تو ایک تو آپ اسی وقت دعائیہ کلمات بول دیتے، دوسرے اس سے کہتے کہ اپنی دعاؤں میں مجھے بھی اور تمام مسلمانوں کو یاد رکھیے گا، یہ میرا شب و روز کا مشاہدہ ہے فرماتے تھے: دعا کے لیے کہنے والا کس جذبہ اور پریشانی میں دعا کی درخواست کرتا ہے، اس کے اس جذبہ اور پریشانی کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ اس کی درخواست پر دعا قبول کر لیتے ہیں، قبولیت کے آثار دیکھ کر اس کو خوش گمانی مجھ سے ہوتی ہے، جب کہ حقیقت میں اسی کی دعا قبول ہوئی ہوتی ہے۔

نیت کا استحضار:

ہر کام نیت سے کرتے تھے، قربانی کا جانور اپنے ہاتھ سے ذبح کرتے تھے، باوجود ضعف اور نقاہت کے جب کہ جانور پر چھری چلانا دشوار تھا، پھر بھی آپ نے سہارے سے جانور کو ذبح کیا، آپ کا یہ عمل یقیناً اتباع نبی میں تھا کہ حضور ﷺ بھی قربانی اپنے مبارک ہاتھوں سے فرماتے تھے،مولوی اجمل فاروق' ڈاکٹر نشاط صاحب خلیفہ مفکر اسلام کے حوالہ سے بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ آپ بغرض عیادت تکیہ تشریف لائے، جب واپسی کا ارادہ کیا تو مولانا واضح رشید صاحب ندویؒ نے عرض کیا: ایک دن اور رک جائیے، آپ نے فرمایا: عیادت کی نیت سے آئے تھے،اب رکنے کے لیے کیا نیت

کریں؟ آپ کے گھر تشریف لانے میں بھی نیت حسن معاشرت کی ہوتی تھی۔

دوسرا آپ کا نمایاں وصف جو آج کے دور میں عنقا ہے، اس حدیث شریف پر عمل ہے:"لا تحقرن من المعروف شیئا ولو أن تلق أخاك بوجه طلق" ایک دوسری حدیث شریف میں ہے:"کل معروف صدقة وإن من المعروف أن تلق أخاك بوجه طلق" جب آپ عمر کے آخری مرحلہ میں ہوں، دن بھر کی تھکان ہو، وقت آرام کا ہو اور ملنے والوں کی فوج ہو، جن سے کوئی علیک سلیک اور واقفیت پہلے سے نہ ہو، اس وقت ہر ایک سے مسکرا کر ملنا' اس کی بات سننا' یہ سب سے مشکل اور نفس پر انتہائی شاق گزرنے والا عمل ہے، ہر ایک تعلق رکھنے والا او رابا کے شب وروز کا مشاہدہ کرنے والا اس بات کی گواہی دے گا کہ ایسے وقت میں ابا ہر ایک سے کس طرح ملتے تھے، ہونٹوں پر خاص دل موہ لینے والی مسکراہٹ ہوتی تھی، جو نہ صرف اس شخص کو اسیر کر لیتی تھی بلکہ خدام کو دھوکہ میں مبتلا کر دیتی تھی کہ یہ شخص شاید بہت قریبی ہے، حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہوتی تھی۔

اخلاق کریمانہ:

خدا کے ترازو میں سب سے بھاری عمل اخلاق کریمانہ ہیں، ارشاد نبوی ہے:"ما من شئ أثقل فی المیزان من حسن الخلق" اور بھی احادیث ہیں جو بتاتی ہیں کہ اللہ کے نزدیک اعلیٰ اخلاق کی کتنی اہمیت ہے اور کیوں نہ ہو؟ سب سے مشکل کام بھی یہی ہے، اپنوں سے اعلیٰ اخلاق کا مظاہرہ کرنا یا موڈ خوشگوار ہو اس وقت اعلیٰ اخلاق برتنا اتنا مشکل کام نہیں، مگر ہر ایک سے اخلاق کریمانہ کا مظاہرہ کرنا' اپنوں اور غیروں میں تفریق نہ کرنا' وقت چاہے آرام کا ہو' طبیعت میں جتنی بھی گراوٹ ہو' انتہائی دشوار ترین اور نفس پر شاق گزرنے والا عمل ہے، کئی بار اس کا مشاہدہ ہوا کہ ایسے ملنے والوں کو بھی دیکھا ہے جن سے خدام خود سے عرض کرتے، ابھی حضرت آرام کر رہے ہیں، صبح سے آرام کا موقع نہیں ملا ہے، لیکن وہ ملنے پر مصر ہوتے تھے، دور سے آنے کا عذر پیش کرتے تھے، ایسے لوگ جب آپ کے روبرو ہوتے او رملاقات کرتے تو ابا اس کیفیت میں بھی ان سے اعلیٰ اخلاق کا مظاہرہ کرتے اور جب تک وہ خود اپنی بات ختم نہ کرتے ابا ان کی بات پوری توجہ سے سنتے اور کہیں سے اس بات کا احساس نہ ہونے دیتے کہ طبیعت مضمحل ہے اور صبح سے آرام کا موقع نہیں ملا۔ ایک بار تو ایک واقعہ ایسا پیش آیا کہ ایک صاحب ملنے آئے، اس وقت ابا کی طبیعت بہت نڈھال تھی اور ان کے دل پر اثر پڑ رہا تھا اور صورت حال ایسی کہ ہاتھ تک ہلانا ان کے لیے مشکل ہو رہا تھا، وہ صاحب آئے، کچھ دیر کھڑے رہے اور چلے گئے، جب مولانا کی طبیعت بہتر ہوئی اور ایک دو دن گزرنے کے بعد وہ صاحب پھر آئے تو ابا نے معذرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ اس دن آپ تشریف لائے تھے اور میں آپ سے بیٹھنے کے لیے بھی نہ کہہ سکا، مجھے معاف کیجیے گا۔

تواضع اور فنائیت:

تواضع اور فنائیت ایک ایسا وصف ہے جس پر خدا کی طرف سے رفعت کا وعدہ ہے، ارشاد نبوی ہے:"من تواضع للّٰه رفعه اللّٰه" ابا کی زندگی میں یہ وصف انتہائی نمایاں تھا، فرماتے تھے کہ لوگ مسائل سے گھرے ہیں ، دعا کے لیے آتے ہیں اور جس کیفیت میں دعا کی درخواست کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اسی وقت ان کی دعا قبول کر لیتا ہے، وہ قبولیت کے اثرات دیکھ کر میرے تعلق سے حسن ظن میں مبتلا ہو جاتے ہیں، ورنہ ہم اپنی حقیقت سے خوب واقف ہیں۔

حضرت شاہ ابرار الحق رحمۃ اللہ علیہ جب تک حیات تھے ،ابا باقاعدہ اہتمام سے ان سے ملاقات کی نیت سے اور دعا کی درخواست کے لیے ہردوئی تشریف لے جاتے، ان کو زحمت نہ ہو اس وجہ سے زیادہ دیر قیام نہ کرتے اور تھوڑی دیر ان کی مجلس میں بیٹھ کر اور دعا کی درخواست کر کے واپس ہو جاتے تھے، ایک بار میں بھی ساتھ تھا، میں نے جو دیکھا اس نے مجھے ششدر

کر دیا، ابا ایک کمرہ میں آرام کر رہے تھے، حضرت شاہ ابرار الحق صاحب کے خادم نے آکر عرض کیا ،حضرت تشریف لانا چاہتے ہیں، ابا کو میں نے دیکھا کہ ننگے پیر کمرہ سے نکل ان کے کمرہ کی طرف لپکے، تا کہ ان کو زحمت نہ ہو۔

حضرت حکیم کلیم اللہ صاحب، حضرت مولانا قمر الزماں صاحب الہ آبادی جو عمر میں ابا سے چھوٹے ہیں، ابا ان دونوں حضرات کے سامنے جس تواضع سے بیٹھتے اور ان کی بات سنتے اور ان سے دعا کے لیے کہتے' دیکھنے والا دھوکہ کھا سکتا تھا کہ ابا چھوٹے ہیں، ان حضرات کو فون کر کے دعا کی درخواست کرتے، ان حضرات کی موجودگی میں خود دعا نہیں کراتے تھے، بلکہ اصرار کر کے ان حضرات سے دعا کرواتے تھے۔

تواضع کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے، ایک طالب علم جو نیا نیا آیا تھا، پیر دبانے کے لیے بیٹھ گیا، ابا نے پاؤں سمیٹتے ہوئے کہا: آپ تکلیف نہ کریں، آپ بیٹھ جائیں، وہ طالب علم نہ جانے کیا سمجھا اور اٹھ کر چلا گیا، ابا پر اس کا بہت اثر پڑا، وہ سمجھے کہ شاید اس طالب علم کو ان کی بات بری لگ گئی، یا وہ سمجھا کہ میں اس سے جانے کیے لیے کہہ رہا ہوں، میرا مطلب یہ نہیں تھا اور ایک صاحب کو بھیجا کہ اس طالب علم کو تلاش کر کے لاؤ، کسی طرح وہ طالب علم ملا اور آیا، مولانا نے اس سے معافی مانگتے ہوئے کہا کہ میں نے آپ سے جانے کے لیے نہیں کہا تھا، شاید آپ کو میری بات بری لگ گئی، مجھے معاف کیجیے گا، آپ جب چاہیں آئیں اور بیٹھیں۔

صبر:

صبر یہ ایک ایسا وصف ہے جس کی تلقین انتہائی آسان ہے، مگر عملی طور پر اس کو اختیار کرنا انتہائی مشکل ہے، تبھی خدا کی طرف سے غیر معمولی انعام کا وعدہ ہے: "إنما یوفی الصابرون أجرهم بغیر حساب" صرف چار واقعات بیان کرنے پر اکتفا کرتا ہوں، جنہوں نے خاندان کے ہر ایک فرد کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا۔

مولانا عبداللہ حسنی ندویؒ جو ابا کے داماد تھے، ابا کو ان سے کتنی امیدیں ہوں گی، وہ عملی میدان میں کام بھی کر رہے تھے، بہت سے امور میں ابا کے دست و بازو بھی تھے، ایک لمبا عرصہ بیمار رہے اور اللہ کے حضور حاضر ہو گئے، پسماندگان میں ایک زوجہ اور ایک لڑکا چھوڑا، اس حادثہ کا سب سے زیادہ اثر فطری طور پر ابا پر پڑا ہوگا، جس سے امیدیں وابستہ تھیں، وہ رخصت ہو گیا، نگاہوں کے سامنے بیٹی اور نواسہ کا غمزدہ چہرہ ہے، مگر قربان جائیے صبر و استقامت کے اس پہاڑ پر جس کی زبان پر صرف ''انا للہ وانا الیہ راجعون'' تھا، جو خود تعزیت مسنونہ اور تسلی کا سب سے زیادہ حقدار تھا، وہ دوسروں کو تسلی دے رہا تھا اور قضائے الٰہی پر صبر کی تلقین کر رہا تھا۔

دوسرا واقعہ انتہائی محبوب اور چہیتے بھائی کی مختصر بیماری اور پھر اچانک انتقال کا سانحہ ہے، وہ بھائی جس کے بغیر زندگی کی صبح و شام کا تصور بھی محال تھا، ابتدائے عمر کی دو دہائیوں کی وہ مصروفیت اگر ہٹا دی جائے جو حضرت مولانا واضح رشید ندویؒ نے آل انڈیا ریڈیو دہلی میں بطور ملازمت گزاری ہے، تو زندگی کے تقریباً ستر سال کا طویل عرصہ ایک ساتھ ہی گزرا ہے، چاہے ندوہ کا قیام ہو، یا تکیہ کے ایام ہوں، کہیں کا سفر ہو یا کسی پروگرام میں شرکت ہو، ندوہ کا انتظام ہو یا ملی مسائل کا حل ہو، ہر موقع پر وہ بھائی نہ صرف ایک مشیر تھا بلکہ ایک مضبوط بازو اور ایک طاقتور سہارا تھا، ایسے عزیز از جان بھائی کا وقت نزع ہے' تہجد کا وقت ہے' ابا تکلیف سے بے چین بھائی پر نظر ڈالتے ہیں اور اس کی صحت یابی کے لیے دعا میں مشغول ہو جاتے ہیں، تہجد کا وقت نکلتا دیکھ کر نماز کی نیت باندھ لیتے ہیں، ادھر نماز پوری ہوتی ہے، ادھر مؤذن صدائے اللہ اکبر بلند کرتا ہے اور عزیز از جان بھائی کی روح اپنی منزل کی طرف پرواز کر جاتی ہے، بھائی کا بے جان جسم دیکھ کر کیا بیتی ہوگی اس انسان پر، جس سے اگر پوچھا جاتا کہ آپ کی متاع حیات کیا ہے تو شاید وہ اپنا اشارہ اسی بے جان جسم کی طرف کرتا، مگر قربان جائیے اس صبر و استقامت کے پہاڑ پر کہ

اس کی زبان سے پہلا لفظ نکلا: ''انا للہ وانا الیہ راجعون، نماز کا وقت ہوگیا ہے، نماز پڑھ لی جائے۔'' نماز بعد اپنے بھتیجے مولانا جعفر حسنی ندوی کو صبر کی تلقین کرتے ہیں، نیک لوگوں کے لیے اللہ کے وعدوں اور بشارتوں کا تذکرہ کرکے غم کو ہلکا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

تیسرا واقعہ مولانا حمزہ حسنی ندوی جو داماد بھی تھے اور ندوہ کے معاملات میں آپ کے معاون اور دست وبازو بھی تھے، ان کا حادثہ وفات پیش آتا ہے، ان کے فرزند مولوی رشید حسنی اور مولوی سعید حسنی ابا کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں، آنکھوں سے آنسو رواں ہیں، وہاں موجود ہر آنکھ اشکبار ہوجاتی ہے، مگر صبر وضبط کا یہ پہاڑ ان کے سر پر ہاتھ رکھتا ہے، زبان سے یہ کلمات ادا ہوتے ہیں: ''حمزہ اللہ کی امانت تھے، اللہ نے اپنی امانت واپس لے لی۔'' ان کو تسلی دیتے ہیں، صبر کا حوصلہ پیدا کرتے ہیں، سوچئے تسلی کون دے رہا ہے؟ صبر کا حوصلہ کون پیدا کررہا ہے؟ وہ جو خود سب سے زیادہ متاثر ہے، ان کا دل کتنا تڑپا ہوگا، مگر ایمان کی طاقت ہر آزمائش کے موقع پر ثابت قدم رکھتی ہے۔

انتہائی چہیتی بھتیجی اور مولانا حمزہ حسنی ندویؒ کی حقیقی بہن آپ کے سامنے دنیا سے رخصت ہوتی ہیں، ان کے فرزند آپ کے معاون اور سفر وحضر میں آپ کے رفیق مولانا محمود حسنی ندویؒ ایک طویل بیماری سے گزر کر اس دار فانی کو الوداع کہتے ہیں، یہ دونوں حادثات بھی آپ کے سامنے پیش آتے ہیں، مگر زبان پر وہی ایک جملہ انا للہ وانا الیہ راجعون اور اہل خانہ کو صبر کی تلقین اور تسلی کے کلمات، ان پہ در پہ واقعات کے موقع پر آپ کی کیفیت کا مشاہدہ کرنے والا یقیناً گواہی دے گا کہ یہ حدیث یقیناً آپ کی نگاہوں میں ہے:

"إن العين تدمع والقلب يحزن ولا نقول إلا ما يرضى ربنا وإنا لفراقك لمحزونون."

شکر:

اسی طرح آپ کی ایک امتیازی خوبی یہ بھی تھی کہ جس طرح آپ نے آزمائشوں پر صبر کا عملی نمونہ پیش کیا، اسی طرح نعمتوں پر شکر ادا کرنے میں کبھی غفلت نہیں برتی، ہم لوگوں سے ہمیشہ فرماتے رہتے تھے کہ ہر حال میں اللہ کا شکر ادا کرتے رہنا، اللہ کا بے پناہ کرم ہے، جتنا بھی شکر ادا کریں کم ہے، والدین کی نیکیوں کا پھل ہے جو ہم لوگوں کو مل رہا ہے، کبھی اپنے ابتدائی دور کا تذکرہ فرماتے کہ اس وقت کے کیا حالات تھے، دین مخالف ماحول تھا، مدرسہ میں پڑھنا معیوب سمجھا جاتا تھا، جاتے آتے تبصرے سننے کو ملتے تھے، خدا کا فضل ہے کہ حالات اب ویسے نہیں ہیں، اب علماء کی عزت ہے، ان کی قدر ہے، اس پر جتنا بھی شکر ادا کریں کم ہے، فرماتے تھے کہ میں اس لائق نہیں تھا کہ ندوہ میں بحیثیت مدرس میرا تقرر ہوتا، لیکن خدا کا فضل ہے کہ میرا تقرر ہوا اور طلباء مطمئن ہیں، آپ کی زبان پر ہر لمحہ شکر کے نغمے تھے او ردل شکر کے جذبات سے لبریز تھا، اس طرح "من لم يشكر الناس لم يشكر الله" پر بھی آپ عمل پیرا تھے۔

اخفاء:

آپ مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کے بھانجہ تھے، ان کے تربیت یافتہ تھے، بیعت حضرت مولانا عبدالقادر رائپوری سے تھے، لیکن حضرت مولانا عبدالقادر رائپوریؒ نے تربیت کی ذمہ داری مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کو دے دی تھی، مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی حسنی ندویؒ آپ سے غیر معمولی محبت کرتے تھے، اسفار میں آپ کو اپنے ساتھ رکھتے تھے، نہ جاسکنے کی صورت میں آپ کو اپنے نمائندہ کی حیثیت سے بھیجتے تھے، مگر کبھی آپ نے نجی مجلسوں میں بھی ان باتوں کا اظہار نہیں کیا، ہم لوگ کبھی پوچھتے تو خوبصورتی سے بات بدل دیتے تھے، مگر ان باتوں کا اظہار کرنا پسند نہیں کرتے تھے۔

تحمل وبرداشت:

ابا کی ہارٹ کی دوائیں تھیں جن کو صبح ناشتہ کے معاً بعد اور سوتے وقت کھانا ہوتا تھا، جب ابا تکیہ میں ہوتے تھے تو ناشتہ

گھر میں کرتے تھے، مولوی سبحان ثاقب ندوی یا مولوی عین الحسن ندوی ہم میں سے کسی کو دوا دے دیتے تھے کہ ناشتہ کے بعد ابا کو کھلا دینا، بارہا ایسا ہوا کہ ہم میں سے کوئی بھی دوا دینا بھول گیا او ردوپہر کو یاددلانے پر یادآیا او رابا کو دوا دی، کبھی زبان سے ایک لفظ بھی نہیں کہتے تھے، نہ چہرہ پر کوئی شکن ہوتی تھی، اگر دوا دینے والا ندامت کا اظہار کرتا تو اس کی ندامت دور کرتے، نہ کوئی زجر وتوبیخ، نہ کوئی ڈانٹ ڈپٹ، نہ کوئی طعنہ۔

مولوی عبدالسمیع ندوی کہتے ہیں کہ ایک صاحب تھے، جن کا تعلق ایران سے تھا، ان کا اصرار تھا کہ حضرت سے بات کرائیں، حضرت بیمار تھے، لیکن میں نے اندازہ کرکے کہ اب طبیعت سنبھل گئی ہے بات کرادی، بعد میں احساس ہوا اور ندامت کا اظہار کیا تو حضرت نے بات ہی بدل دی تاکہ ندامت کا احساس زائل ہوجائے۔

رمضان کے بابرکت مہینے میں بعد نماز فجر ہم سب کا سونے کا معمول ہے، ابا کا معمول صبح آٹھ بجے اٹھ جانے کا تھا، اسی وقت گھر آنے کا تقاضا ہوتا تھا، مولوی عین الحسن ہم میں سے کسی کو فون کرتے کہ باہر تک آجاؤ، تاکہ حضرت کو زحمت نہ ہو، بسا اوقات گہری نیند ہونے کی وجہ سے فون کال پر آنکھ نہ کھل سکی، ابا دھوپ میں باہر وہیل چیر پر بیٹھے رہتے یا تھوڑا انتظار کرکے گھر کے اندر تشریف لے آتے، مگر کبھی ایک لفظ بھی شکایت کا زبان پر نہیں آیا، جیسے ہی سامنا ہوتا، سلام کرتے تو مسکرا کر جواب دیتے تھے۔

زبان کی حفاظت:

حدیث شریف میں ہے ”تم دو چیزوں کی ضمانت لے لو میں تمہاری جنت کی ضمانت لیتا ہوں: زبان اور شرم گاہ۔“

ابا کی مجلس میں بیٹھنے والا اس بات کی گواہی دے گا کہ آپ پوری زندگی ”من حسن إسلام المرء ترکه ما لا یعنیه“ پر عمل پیرا رہے، آپ کی مجلس لا یعنی گفتگو سے پاک تھی، جو بھی گفتگو ہوتی تھی دینی نسبت سے ہوتی تھی یا پھر آپ خاموش رہتے تھے، خاموشی آپ کی طویل ہوتی تھی، کبھی کبھی میں سوچتا تھا کہ اتنے لوگ آپ کی مجلس میں شرکت کے لیے آئے ہیں او رآپ مسلسل خاموش ہیں، یہ کیا سوچ رہے ہوں گے، لیکن اب سمجھ میں آتا ہے کہ آپ کی خاموشی لوگوں کو ایک سبق دیتی تھی کہ لا یعنی گفتگو سے کیسے بچنا ہے، حضور ﷺ کے بارے میں آتا ہے کہ آپ بوقت ضرورت تکلم فرماتے تھے ورنہ خاموش رہتے تھے، آپ ہنسنے ہنسانے والی باتوں سے اجتناب کرتے تھے اور اس کو قساوت قلب کا ذریعہ سمجھتے تھے، آپ کے ہاں کسی کی بے جا تعریف سے کلی اجتناب تھا، آپ کی زبان غیبت سے محفوظ تھی، آپ کو کبھی کسی کی غیبت کرتے یا منفی تبصرہ کرتے نہیں دیکھا گیا۔

استغنا:

استغنا کا درس دینا آسان ہے، عملاً اس کو اختیار کرنا مشکل ترین کام ہے، ابا میں یہ صفت بدرجہا پائی جاتی تھی، ایک صاحب حیثیت شخص ابا کو بطور ہدیہ رقم پیش کرتے او رقبول کرنے پر اصرار کرتے تھے، ابا ان سے ہدیہ لے لیتے او ردارالعلوم کی مد میں دے دیتے تھے، ایک بار ایک انتہائی قریبی (جن کا نام لینا مناسب نہیں) سے فرمایا کہ وہ باصرار دیتے ہیں، میں اگرچہ ندوہ کو دے دیتا ہوں، اپنی ذات یا اپنے گھر والوں پر ایک پیسہ بھی خرچ نہیں کرتا، پھر بھی لیتے ہوئے شرم آتی ہے۔ جو بھی ہدایا آپ کی خدمت میں پیش کیے جاتے تھے آپ اس کو اہل تعلق کے درمیان تقسیم کردیتے تھے، ملنے آنے والوں کو کچھ نہ کچھ دینے کا آپ کے ہاں بہت اہتمام تھا، گھر بھجوانا بالکل پسند نہیں کرتے تھے، ایک بار میرے سامنے ایک صاحب نے سیب لاکر پیش کیے، مصباح بھائی نے عرض کیا: خلیل موجود ہے، یہ سیب گھر چلے جائیں تو اچھا ہے۔ فرمایا: نہیں، اس کو فلاں صاحب کے ہاں بھجوا دو، بعض ڈاکٹر جن سے آپ کا علاج معالجہ کا رابطہ تھا، ان کو مسلسل کچھ نہ کچھ بھجواتے رہتے، پھر بھی جب بھی ملاقات ہوتی، ان کے اس احسان کا تذکرہ کرتے او رممنونیت کا اظہار کرتے تھے۔

احتیاط اور تقویٰ:

آپ کی پوری زندگی ان دونوں صفتوں سے عبارت تھی، آپ نے پوری زندگی ندوہ کے لیے وقف کردی تھی، آپ کے نواسہ ابوالحسن علی حسنی نے آپ کے بارے میں اپنے جذبات اشعار کے قالب میں یوں پیش کیے ہیں ع

شان ندوہ، جان ندوہ، جانشین بوالحسن

دونوں وقت آپ کا کھانا گھر سے ندوہ جاتا تھا اور ناشتہ حضرت مہتمم صاحب کے ہاں سے آتا تھا، ہم لوگ جب ندوہ میں ہوتے تھے تو آپ تاکید کرتے تھے کہ کھانا گھر کا کھانا، مہمانوں کے لیے مطبخ سے جو کھانا آتا تھا، گرچہ اس کا بل آپ ادا کرتے تھے، مگر تاکید گھر کا کھانا کھانے کی تھی اور نگاہ بھی رکھتے تھے، آپ کا تربیت کا انداز بڑا پیارا تھا، جب ندوہ میں زیر تعلیم تھا، اس وقت خالی گھنٹہ میں ابا یعنی حضرت مولانا واضح رشید صاحب ندویؒ کے دفتر ابا سے ملنے چلا جاتا تھا، ابا جب مہمان خانے سے ناشتہ بغیر کیے دفتر تشریف لے آتے تو ملازم سے ناشتہ کے طور پر چائے اور اس کے ساتھ کچھ منگوا لیا کرتے تھے، ایک بار میں وہیں موجود تھا، ناشتہ میں ابا کے ساتھ شریک ہوگیا، اتفاقاً اسی وقت اچھے ابا یعنی حضرت مولانا رابع حسنی ندوی تشریف لے آئے، آپ کو اشتباہ ہوا کہ یا تو میں نے ناشتہ منگوایا ہے، یا ابا نے میری وجہ سے منگوایا ہے، مجھے ناشتہ کرتے دیکھ کر ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا اور فرمایا: واضح کے دفتر میں تمہارا ناشتہ منگوانا مناسب نہیں، آئندہ احتیاط کرنا، اس قدر آپ کے ہاں احتیاط تھی، مولانا حمزہ حسنی ندویؒ نے اپنا ایک واقعہ سنایا کہ قطر کے ایک سفر میں مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی حسنی ندوی ؒ کی معیت میں حضرت مولانا رابع حسنی ندویؒ اور ہم بھی تھے، تین ملکوں کا دورہ تھا، قطر، دبئی اور سعودی عرب، علماء عرب نے وسعت ظرفی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ہم تینوں کو یکساں تحفے دینے کا اہتمام کیا، واپسی پر حضرت مولانا رابع حسنی ندویؒ نے مجھ سے فرمایا: ہم کو اور تم کو جو بھی ملا ہے ماموں جان کی وجہ سے ملا ہے، اس لیے ماموں جان کو دو حصے ملنے چاہئیں اور ایک حصہ میں ہم اور تم شریک ہوں گے اور ایسا ہی کیا، تکیہ میں قیام کے دوران جو بھی تحفہ آپ کو پیش کیا جاتا اس کو ماموں جان یعنی مفکر اسلام کی طرف محمول کرتے کہ میں اس کا حقدار نہیں ہوں، ماموں جان کی برکت ہے یہ، یا تو اس کو اہل تعلق میں تقسیم کرتے اور اگر گھر بھیجنا ہوتا تو اس کا آدھا حصہ حضرت مولانا کے ہاں بھیجنے کا اہتمام کرتے، فرماتے تھے: جو بھی مل رہا ہے ماموں جان کی برکت سے مل رہا ہے۔

بنگلور کے ایک صاحب حیثیت تعلق والے ابا کو ایک کار ہدیہ میں پیش کرنے پر مصر تھے اور ابا کی طرف سے مسلسل انکار تھا، وہ لکھنؤ آئے اور کار بک کی اور ابا سے آکر کہا: میں نے کار خرید لی ہے، آپ کو لینا ہی ہوگا، ڈرائیور کی تنخواہ میرے ذمہ ہوگی، ابا نے کہا: میں نے آپ سے کہا ہے، اگر آپ دینا ہی چاہتے ہیں تو ندوہ کو دیجیے، مجھے ضرورت نہیں ہے، انہوں نے کار ندوہ کو دے دی او رڈرائیور کی تنخواہ سے معذوری ظاہر کردی۔

مزاج میں نرمی:

ارشاد نبوی ﷺ ہے:

"إن اللّٰه يحب الرفق ويعطي على الرفق ما لا يعطي على العنف" (اللہ تعالیٰ نرمی کو پسند کرتا ہے اور نرمی پر وہ دیتا ہے جو سختی پر نہیں دیتا ہے۔)

میں نے آج تک ابا کو کبھی حالت غصہ میں نہیں دیکھا، ہمیشہ آپ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ رہتی تھی، لہجہ میں شہد جیسی مٹھاس ہوتی تھی، سوائے دو موقعوں پر ایک واقعہ ڈنمارک پر اور ایک بار ایک صاحب نے کہا: میں پائلٹ بن سکتا تھا، مگر دینی تعلیم کو حاصل کیا ہے، لیکن مجھے ملا کیا، اس موقع پر میں نے ابا کو غصہ میں دیکھا، ان سے فرمایا: اگر آپ نے دنیا کے حصول کے لیے دینی تعلیم کو حاصل کیا ہے تو بہت بہتر تھا کہ پائلٹ ہی بن جاتے۔ ان دو موقعوں کے علاوہ میں نے کبھی آپ کو غصہ میں نہیں دیکھا۔ آپ ﷺ کی ایک صفت بیان کی جاتی ہے

کہ آپ نے کبھی اپنی ذات کے لیے انتقام نہیں لیا، نہ ہی غصہ ہوئے، ہاں دینی شعائر کی پامالی ہوتو آپ کے غصہ کے سامنے کوئی ٹک نہیں سکتا تھا، مزاج نبوی سے جو جتنا قریب ہوگا اتنا ہی وہ متبع سنت بھی ہوگا، جب دینی علوم کی تحقیر آپ نے محسوس کی تو غصہ کا اظہار کیا، جب ناموس رسالت پر چند بدبختوں نے بھونکنے کی کوشش کی تو اس وقت ابا کا غصہ میں نے دیکھا۔

صحابی رسول ﷺ حضرت انسؓ فرماتے ہیں: میں نے آپ ﷺ کی دس سال خدمت کی، کبھی آپ نے مجھے اف تک نہیں کیا اور نہ کبھی یہ کہا کہ فلاں کام کیوں کیا او راور فلاں کام کیوں نہیں کیا۔

انسان جس سے محبت کرتا ہے، اس کی ہر ادا کو اپنے اندر جذب کرنے کی کوشش کرتا ہے، اسی لیے "المرء مع من أحب" کہا گیا ہے، کیونکہ محبت محبوب کی اتباع پر آمادہ کرے گی اور یہ اتباع محبوب کی معیت کا سبب بنے گی، ابا کی زبان پر نہ کسی کے لیے شکوہ تھا نہ شکایت، آپ کے ایک خادم مولوی سبحان ثاقب ندوی بھٹکلی جو تقریباً ۱۳ سال سفر وحضر میں آپ کے ساتھ رہے ہیں، بیان کرتے ہیں کہ ان تیرہ سالوں میں حضرت مولانا نے کبھی مجھے کسی بات پر سرزنش نہیں کی اور نہ ہی کبھی میرے کسی کام پر فرمایا کہ یہ کیوں کیا اور یہ کیوں نہیں کیا؟ ایک مرتبہ میں نے حضرت سے فرمایا: حضرت انسؓ نے آپ ﷺ کے تعلق سے جو فرمایا ہے، آپ وارثِ انبیاء ہیں، میری زبان پر آپ کے لیے یہی الفاظ ہیں۔ آپ خاموش رہے۔

وفات:

رمضان مبارک کا مہینہ شروع ہوا، شروع کے دو جمعہ آپ نے مسجد میں خطاب کیا، دین وایمان کی باتیں بتائیں، تیسرے جمعہ سے طبیعت متاثر ہونی شروع ہوئی، کمزوری اور نقاہت بڑھتی جارہی تھی، بستر سے اٹھنا مشکل ہوگیا تھا، مگر اس حالت میں بھی نماز کا غیر معمولی اہتمام تھا، وقت پر ادائیگی کا غیر معمولی خیال تھا، تکیہ میں طبی سہولیات اتنی نہیں تھیں، اس لیے ڈاکٹروں کا مشورہ تھا کہ لکھنؤ شفٹ کیا جائے، مگر ابا مطمئن نہیں تھے، ڈاکٹر ناصر جو ابا کے معالج تھے، وہ تشریف لائے اور شفٹ کرنے کی تاکید کی، رائے یہ ہوئی کہ ابا کو وہی تیار کریں، بہر حال ابا تیار ہوگئے اور ان کی گاڑی میں لکھنؤ کا سفر ہوا، لکھنؤ پہنچ کر طبیعت بہتر ہوگئی، ڈاکٹروں کی پوری ٹیم آگئی تھی، ابا نے ان کے سامنے وعظ فرمایا، فرمایا: آپ لوگ خدمت خلق کا کام انجام دے رہے ہیں، ثواب کی نیت سے یہ کام کیجیے، آپ کا یہ عمل عبادت بن جائے گا اور تقرب الٰہی کا ذریعہ ہوگا، تقریباً دس منٹ آپ نے ان سب کو نصیحت کی، پھر سب رخصت ہوگئے، اگلے دن پھر طبیعت متاثر ہوگئی، اونچ نیچ ہوتی رہی، کبھی افاقہ محسوس ہوتا، کبھی طبیعت گرتی محسوس ہوتی، انتقال سے تین دن قبل بخار آیا جو کسی انفیکشن کا نتیجہ تھا، بخار اتارنے کی دوائیں دی جاتی رہیں، مگر بخار کم نہیں ہورہا تھا، ماتھے پر اور پاؤں پر پانی میں بھگو کر کپڑا رکھا جارہا تھا، مگر اس سے بھی آرام نہیں ہوا، پانی بھی بیچ بیچ میں ماتھے اور پاؤں پر ٹپکایا جاتا رہا، مگر اس سے بھی بخار میں تخفیف نہیں ہوئی، غنودگی بڑھتی گئی، نماز اشارے سے ادا کررہے تھے۔

انتقال کے روز طبیعت بہتر ہوگئی، ناشتہ کیا، ظہر کی نماز کا جیسے ہی وقت ہوا، آپ نے نماز پڑھنے کے لیے کہا، والد صاحب نے فرمایا: ابھی وقت نہیں ہوا ہے، مطلب تھا کہ جس وقت آپ نماز پڑھتے ہیں وہ وقت ابھی نہیں ہوا ہے، مگر آپ نے پڑھنے پر اصرار کیا اور نماز پڑھی، نماز پڑھتے ہی طبیعت پھر متاثر ہوگئی، ایسا محسوس ہورہا تھا کہ کاتب تقدیر نے آپ کو آخری نماز پڑھنے کے لیے صحت یاب کردیا ہو، جس کی پوری زندگی نماز کے اہتمام میں گزری، آخری نماز سے وہ کیسے محروم رہتا، محسوس کرنے والے نے محسوس کیا کہ زبان ہل رہی ہے، صاف محسوس ہورہا تھا کہ آپ کچھ پڑھ رہے ہیں، آدھا ایک گھنٹہ اس کیفیت میں گزرا اور پھر عمر بھر کی بے قراری کو قرار آہی گیا، روح آپ کو بلند کرنے کے لیے بلندی کی طرف پرواز کرگئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون!

آسمان تیری لحد پر شبنم افشانی کرے

مولانا سید رشید احمد حسنی ندوی (استاد مدرسہ مظہر السلام۔لکھنؤ)

میرے پیارے ابا
یادوں کے آئینہ میں

۱۳/اپریل بروز جمعرات ستاروں میں سب سے چمکنے والا ستارہ غروب ہوگیا، جو ظلمت وتاریکی میں قندیل وچراغ کا کام کررہا تھا، اس موجودہ دنیا میں وہ چمک رہا تھا اور لوگوں کو نفع پہنچا رہا تھا، وہ ستارہ جو موجودہ دنیا میں جانشین مفکر اسلام مرشد الامت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندویؒ کے نام سے متعارف تھا، آج لوگ دنیا میں آپ کو پھر سے یاد کررہے ہیں، ان کے علمی واصلاحی کارناموں کا تذکرہ کر رہے ہیں۔ اب میں حضرتؒ کی مبارک زندگی پر کچھ مختصر سی روشنی ڈالتا ہوں۔ ملاحظہ فرمائیں:

حضرت ابا نور اللہ مرقدہ تکیہ کلاں رائے بریلی میں آباد خاندان حسنی علم اللہی میں پیدا ہوئے، اس خانوادہ علم اللہی حسنی سادات میں متعدد بڑی شخصیات پیدا ہوئیں، حضرت شاہ علم اللہ حسنی کی اولاد میں حضرت شاہ آیت اللہ حسنی، سید ابوحنیفہ، سید محمد ہدیٰ، سید محمد جی، حضرت سید شاہ آیت اللہ فرزند اکبر تھے اور وہی اپنے والد کے جانشین ہوئے، حضرت شاہ آیت اللہ حسنی کی اولاد میں متعدد شخصیات ہوئیں، مولانا سید محمد صابر حسنی، حضرت مولانا سید محمد واضح محدث حسنی، امیر المومنین حضرت سید احمد شہید، حضرت مولانا غلام جیلانی حسنی، حضرت مولانا سید محمد ظاہر حسنی، حضرت مولانا شاہ ضیاء النبی رحمہم اللہ کا تذکرہ اور ان کی دینی، دعوتی اور ربانی زندگیوں کا تذکرہ ملتا ہے، ان مذکورہ بالا شخصیتوں کے تسلسل کے طور پر آخر میں حضرت مولانا حکیم عبد الحی حسنی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا ڈاکٹر عبد العلی حسنی رحمۃ اللہ علیہ، مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابو الحسن علی حسنی نور اللہ مرقدہ نمایاں ہوئے، وہ محض اپنی ذات سے ہی بلند دینی اور دعوتی مقام پر فائز نہ تھے بلکہ انہوں نے اپنے عزیزوں کو بھی اسی راہ پر لگایا۔

ولادت ونشو ونما:

جانشین مفکر اسلام مرشد الامت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندویؒ حضرت مولانا حکیم عبد الحی حسنیؒ کے نواسے اور مولانا سید خلیل الدین حسنیؒ کے پوتے ہیں، حضرت ابا مرشد الامت (جانشین مفکر اسلام مرشد الامت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندویؒ) کے والد ماجد سید رشید احمد حسنیؒ تھے اور آپ کی والدہ مخدومہ سیدہ امۃ اللہ العزیز تھیں، ان کی تحریر کے مطابق تاریخ پیدائش ۲۹/اکتوبر ۱۹۲۹ء مطابق ۲۵/جمادی الثانی ۱۳۴۸ھ ہے، حضرت ابّاؒ کی تربیت حضرت مولانا ڈاکٹر عبد العلی حسنیؒ اور مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابو الحسن علی حسنی ندویؒ کی زیر شفقت ہوئی، حضرت ابّاؒ کی دینی تربیت اپنی نانی مخدومہ خیر النساء بہتر اور والدہ ماجدہ سیدہ امۃ اللہ العزیز اور خالہ سیدہ امۃ اللہ تسنیم کی زیر شفقت ہوئی، حضرت ابّاؒ نے اپنی کتاب ''اوراق زندگی'' میں لکھا ہے: ''ہماری عمر تین سال کی رہی ہوگی کہ دادا کا انتقال ہوگیا'' دادا سید خلیل الدین کا انتقال ۱۹۳۲ء میں ہوا، ان کو دیکھنا حضرت ابّاؒ کو یاد ہے، آگے یہ لکھا ہے: ''دادی اور نانا کو نہ دیکھ سکا، نانی صاحبہ سیدہ خیر النساء بہتر کا زمانہ پایا، وہ دینی تربیت میں ذرا رعایت نہ کرتی تھیں، نماز دعا وغیرہ کا اہتمام، دینی وشرعی آداب کا خیال اور اس پر روک ٹوک کرتیں، ان کی یہ خصوصیت ان کی صاحب زادیوں میں بھی منتقل ہوئی تھی۔''

ایسے ہی حضرت ابّاؒ کے دونوں ماموں مولانا ڈاکٹر سید عبد العلی حسنیؒ اور حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندویؒ کی سرپرستی اور رہنمائی ہر ہر قدم پر ملی اور کوشش رہی کہ ان کے مشورہ کے بغیر کوئی کام نہ کریں اور مولانا سید عزیز الرحمٰن حسنی اور ان کے بھائی عبد الرحمٰن حسنی بھی تعلیم وتربیت کرتے تھے، ایسے ہی حافظ حبیب الرحمٰن اور مولانا ابو الخیر برق سے بھی

علمی تربیتی فائدہ پہنچا، حافظ حبیب الرحمٰن اور مولانا ابوالخیر برق حضرت ابّاؒ کی والدہ کے ماموں زاد بھائی تھے، حافظ حبیب الرحمٰن حسنی آپ کی ہمت افزائی فرماتے تھے۔

والد ماجد سید رشید احمد حسنیؒ:

سید رشید احمد حسنی حضرت شاہ علم اللہ حسنیؒ کی اولاد میں ان کی نسل کے ایک علمی خانوادہ سے تعلق رکھتے تھے، مولانا سید سعید الدین حسنیؒ کے پڑپوتے مولانا سید رشید الدین حسنیؒ کے پوتے تھے، سید رشید احمد حسنی کی پیدائش ۲۰؍صفر ۱۳۱۰ھ مطابق ستمبر ۱۸۹۲ء بروز منگل کو ہوئی، مولانا سید خلیل الدین حسنی کے صاحب زادے تھے، سید رشید احمد حسنی کا نام حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کے نام پر رکھا گیا، سید رشید احمد حسنی پیدائشی طور پر قوت گویائی اور قوت سماعت سے محروم تھے، لیکن والد ماجد نے ان کے لیے ایک مستقل استاد رکھا، جس نے ان کو اردو انگریزی اور قرآن مجید کی تعلیم دی، ابتدائی تعلیم دینے میں مولانا فخر الدین خیالی نے بھی اہتمام کیا اور ان کو خود پڑھایا، ۲۷؍سال کی عمر میں مولانا حکیم سید عبدالحی حسنی کی بڑی صاحبزادی سیدہ امۃ اللہ العزیز رحمہا اللہ سے شادی ہوئی، وہ گونا گوں خصوصیات کے مالک تھے، بڑے مہمان نواز تھے، قرآن کریم کی تلاوت اکثرت کرتے تھے، قطب الارشاد حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ سے بیعت ہوئے تھے اور ذکر وتسبیح کا اہتمام کرتے تھے، سید رشید احمد حسنیؒ کا انتقال ۱۲؍اگست ۱۹۷۵ء -۱۰؍بجے دن کو ہوا، جنازہ میں بکثرت لوگ شریک ہوئے، حضرت مولانا منظور نعمانیؒ نے اپنے ہاتھوں سے غسل دیا، مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے نماز جنازہ پڑھائی، ۸۴؍سال کی عمر پائی، اپنے پیچھے تین صاحب زادے چھوڑے؛ حضرت مولانا سید محمد ثانی حسنیؒ، جانشین مفکر اسلام مرشد الامت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندویؒ، حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندویؒ۔

والدہ ماجدہ سیدہ امۃ العزیز رحمہا اللہ:

والدہ ماجدہ سیدہ امۃ العزیز رحمہا اللہ ۱۳۲۳ھ مطابق ۱۹۰۵ء میں پیدا ہوئیں، جانشین مفکر اسلام مرشد الامت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندویؒ کی والدہ ماجدہ، حضرت مولانا حکیم سید عبدالحی حسنی ندویؒ کی بڑی صاحب زادی عارف باللہ برکۃ العصر حضرت شاہ ضیاء النبیؒ کی نواسی اور حضرت مولانا ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنیؒ اور مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کی بہن تھیں اور ایک برگزیدہ خاتون کو جن صفات وخصوصیات سے آراستہ ہونا چاہیے، اس سے آراستہ اور ذاکر وشاغل خاتون تھیں، بہت ہی مہمان نواز، غم گسار، خیر خواہ، رقیق القلب خاتون تھیں، اسلامی قمری تقویم کے اعتبار سے ۹۳؍سال کی عمر میں رمضان المبارک کی شب کو ۱۴۱۹ھ میں وفات پائی، اللہ اللہ کے ذکر کے ساتھ اپنے مالک حقیقی کے حضور حاضر ہوئیں، خاندانی قبرستان میں مدفون ہوئیں، والدہ ماجدہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ سے بیعت ہوئی تھیں اور آپ کی والدہ سیدہ امۃ العزیز رحمہا اللہ نہایت ہی عابدہ وزاہدہ وولی صفت خاتون تھیں، پرہیزگار، محتاط، زبان سے بھی اور جسم کے سبھی اعضاء سے اور ہر ایک کا خیال رکھنے والی بی بی تھیں۔

تعلیمی مراحل:

حضرت مرشد الامتؒ کی ابتدائی تعلیم اپنے خاندانی مکتب تکیہ کلاں رائے بریلی میں ہوئی، ابتدائی مرحلہ میں بچوں کی سطح کی تعلیم مولانا سید عزیز الرحمٰن حسنیؒ سے وطن تکیہ کلاں رائے بریلی میں حاصل کی، پھر لکھنؤ جاکر اپنے ماموں مولانا ڈاکٹر سید عبد العلی حسنیؒ کی سرپرستی میں رہتے ہوئے لکھنؤ کے محلّہ گوئن روڈ امین آباد کی گلی محمد علی لین کی مسجد میں ۱۹۳۷-۱۹۳۸ء میں حاصل کی، مکتب مسجد میں آپ کے استاد مولوی سلیم صاحب تھے، ۱۹۳۹ء-۱۹۴۰ء میں ندوہ کے مکتب میں داخلہ لیا پھر ۱۹۴۱ء میں دارالعلوم ندوۃ العلماء کے درجہ اول میں داخلہ ہوا، ۱۹۴۲ء میں درجہ دوم عربی میں داخلہ ہوا، پھر حضرت مرشد الامتؒ کے سرپرست ماموں نے درجات کے بجائے اساتذہ کے اصول پر تعلیم شروع کرائی، درجہ سوم عربی میں مولانا

سید حمید الدین فیض آبادیؒ (والد مولانا سید رشید الدین سابق مہتمم مدرسہ شاہی مرادآباد) مولانا سید نور الحسن وغیرہ سے بھی پڑھنے کو ملا، ۱۹۴۱ء میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی لکھنؤ کی مجالس میں اپنے دونوں ماموں کے ساتھ حاضری دی، ۱۹۴۳ء یا ۱۹۴۴ء میں ایک ہفتہ حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ کی خدمت میں نظام الدین مرکز میں گذارا اور ان کے لکھنؤ کے سفر میں ساتھ رہے، ۱۹۴۶ء میں مظاہر علوم سہارنپور میں ایک ماہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ کی خدمت میں کچھ تعلیمی وقت گذارا پھر ۱۹۴۷ء میں دار العلوم دیوبند میں شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کی خدمت میں گئے اور وہاں کے مختلف اساتذہ سے دورہ کی کتابیں پڑھیں، ان میں مولانا عبد الجلیل صاحب، مولانا عبد الاحد صاحب جیسے اساتذہ تھے، ہدایہ، جلالین میں خطیب الاسلام حضرت مولانا سالم قاسمی شریک درس تھے، حضرت مولانا اعزاز علی امروہوی کی سرپرستی رہی، دار العلوم دیوبند میں مہتمم حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ تھے، ان کے حجۃ اللہ البالغہ کے درس میں شرکت کی سعادت آپ کو ملی، وہ بھی خیال فرماتے تھے، ان کی مجلس میں استفادہ کا موقع آپ کو ملا۔

۱۹۴۷ء کے آخر میں لکھنؤ واپسی ہوئی اور شرائط دورہ کی بعض کتابوں کی تیاری لکھنؤ میں رہ کر کر لی تھی، ملا حسن مولانا محمد اسباط سے پڑھنے جاتے تھے، جو مولانا عبد الحی لکھنویؒ کے شاگرد تھے، پھر دار العلوم ندوۃ العلماء میں درجہ نہم میں داخلہ ہو گیا اور کامیابی ملی اور وہیں سے ۱۹۴۸ء میں فضیلت سے فراغت ہوئی، ۱۹۵۰ء کے آخر سے ۱۹۵۱ء کے آخر تک ایک سال علمی استفادہ کی غرض سے حجاز مقدس میں گذارا جس میں وہاں کے علماء وشخصیات اور وہاں کے کتب خانوں سے استفادہ کیا۔

تدریسی دور:

ابّاؒ نے اپنی تدریسی صلاحیتوں سے دار العلوم ندوۃ العلماء کو خوب فائدہ پہنچایا اور طلبہ میں بہت مقبول تھے، ۱۹۴۹ء میں دار العلوم ندوۃ العلماء کے شعبہ ادب عربی میں حضرت مرشد الامتؒ کا بحیثیت معاون استاد تقرر ہوا، ۱۹۵۳ء میں دار العلوم ندوۃ العلماء کے ادیب دوم مقرر ہوئے، علوم شرعیہ میں تفسیر وحدیث کی کتابیں بھی پڑھائیں اور ریاض الصالحین پڑھائی اور ستر سال تک تدریس میں گذارا۔

تصنیفی خدمات:

حضرت ابّاؒ کو تاریخی وعلمی ذوق اپنے ماموں مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندویؒ سے ملا تھا، ان سے فائدہ اٹھایا تھا۔ حضرت ابّاؒ نے بہت سی کتابیں لکھیں، آپؒ کی تحریریں آسان اسلوب وشستگی وشگفتگی کا مرقع ہوتی ہیں، حضرت مرشد الامتؒ کی تصانیف میں سب سے مشہور ''رہبر انسانیت'' ہے اور سیرت کے موضوع پر دوسری کتاب ''نقوش سیرت'' ہے اور جغرافیہ کے موضوع پر ''جزیرۃ العرب'' ہے، حضرت مرشد الامتؒ کی تصانیف کی تعداد پچاس سے زیادہ ہے۔ کچھ کتابوں کے نام یہ ہیں: منثورات، رہبر انسانیت، حج ومقامات حج، امت مسلمہ-رہبری ومثالی امت، سماج کی تعلیم وتربیت، غبار کارواں، یادوں کے چراغ وغیرہ۔

صحافتی خدمات:

بانی اور سرپرست پندرہ روزہ عربی صحیفہ الرائد لکھنؤ، سرپرست اعلیٰ پندرہ روزہ تعمیر حیات لکھنؤ، سرپرست انگریزی مجلّہ دی فری گرینس آف ایسٹ، سرپرست ماہنامہ رضوان لکھنؤ، سرپرست ہندی مجلّہ سچا راہی، سرپرست پیام عرفات وغیرہ۔ ان تمام ماہناموں میں مضامین شائع ہوتے اور پندرہ روزہ تعمیر حیات میں آپ کے بیانات اور علمی واصلاحی مضامین شائع ہوتے رہے اور آپ کے سفر نامے شائع ہوتے تھے، پندرہ روزہ الرائد میں ابّاؒ کے بڑے قیمتی مضامین شائع ہوئے، حضرت مرشد الامتؒ سہ ماہی کاروان ادب کے مدیر تھے، اس سہ ماہی کاروان ادب میں ادبی وعلمی مضامین حضرت ابّاؒ نے لکھے اور ماہنامہ رضوان وماہنامہ پیام عرفات میں بھی بہت سے قیمتی مضامین حضرت ابّاؒ کے شائع ہوئے اور بہت سے ماہناموں میں مضامین ومقالات وملفوظات شائع ہوئے۔

عہدے ومناصب:

حضرت ابّاؒ بہت سے اداروں کے یا تو ناظم یا سرپرست یا رکن تھے یا صدر تھے، کچھ اداروں اور تنظیموں کے نام یہ ہیں:

(۱)ناظم ندوۃ العلماء-لکھنؤ (۲)صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ (۳)صدر عالمی رابطہ ادب اسلامی (۴)صدر مجلس تحقیقات ونشریات اسلام-لکھنؤ (۵)صدر مجلس صحافت ونشریات-لکھنؤ (۶)صدر دینی تعلیمی کونسل، اتر پردیش-لکھنؤ (۷)صدر دار عرفات میدان پور تکیہ کلاں- رائے بریلی (۸)رکن تاسیسی رابطہ عالم اسلامی-مکہ مکرمہ (۹)رکن دار المصنفین -اعظم گڑھ (۱۰) ٹرسٹی آکسفورڈ سینٹر فار اسلامک اسٹڈیز آکسفورڈ یونیورسٹی-برطانیہ (۱۱) سرپرست مولانا محمد ثانی حسنی میموریل سوسائٹی-رائے بریلی (۱۲) رکن مولانا ابو الکلام آزاد اکیڈمی-لکھنؤ (۱۳) سرپرست تحریک پیام انسانیت (۱۴) سرپرست مولانا ابوالحسن اکیڈمی-بھٹکل۔

اسی طرح متعدد مدارس اسلامیہ کے سرپرست تھے اور ۱۹۵۲ء میں ابّاؒ دار العلوم ندوۃ العلماء میں ادیب دوم ہوئے اور ۱۹۵۵ء میں دار العلوم ندوۃ العلماء میں صدر شعبہ ادب عربی کے عہدہ پر فائز ہوئے، پھر ۱۹۷۰ء میں عمید کلیۃ اللغۃ العربیہ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ مقرر ہوئے، پھر ۱۹۹۳ء میں دار العلوم ندوۃ العلماء کا منصب اہتمام مولانا محب اللہ لاریؒ کے بعد حضرت مرشد الامتؒ کے سپرد ہوا، پھر ۱۹۹۸ء میں نائب ناظم جناب مولانا معین اللہ ندوی کی خرابی صحت کی وجہ سے مہتمم کے ساتھ بحیثیت نائب ناظم خدمات انجام دیتے رہے پھر ۳۱؍دسمبر ۱۹۹۹ء کو مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندویؒ ناظم ندوۃ العلماء کیا انتقال کے بعد جنوری ۲۰۰۰ء میں ناظم ندوۃ العلماء کا عہدۂ جلیلہ حضرت ابّاؒ کو تفویض ہوا جس پر تا حیات فائز رہے اور ۲۰۰۲ء میں حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلامؒ کی وفات کے بعد آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے صدر بنے اور تا حیات صدر رہے۔

دعوتی اسفار:

حضرت ابّاؒ نے ہندوستان اور بیرون ہند کے بہت سے شہروں کے اسفار اور دعوتی دورے کیے، حضرت ابّاؒ زیادہ تر اسفار اپنے ماموں مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کے ساتھ کیے اور کچھ سفر اپنے بھائی حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنیؒ کے ساتھ کیے، ان اسفار کی تفصیل یہاں لکھی نہیں جاسکتی اور ہندوستان کے مختلف شہروں گجرات، کیرلا، ممبئی، پونہ، دہلی، بھوپال، کرناٹک اور اتر پردیش کے مختلف شہروں اور آندھرا وتلنگانہ کے شہروں کے دعوتی دورے کیے اور بیرون ہند کے مختلف شہروں کے دورے کیے اور اکثر ممالک اسلامیہ عربیہ نیز بلاد یورپ وامریکہ، مشرق بعید جاپان، ملیشیا، افریقہ میں مراکش، مصر، تونس، الجزائر، جنوبی افریقہ کے سفر کے نیشنل اور انٹرنیشنل اور انٹرنیشنل علمی وادبی سیمیناروں اور کانفرنسوں میں شرکت کی اور مقالے پیش کیے جو مقامی وبیرونی اخبارات ورسائل میں شائع ہوئے، ان دعوتی اور علمی واصلاحی دوروں کی مکمل تفصیلات یہاں لکھنا مشکل ہے، اس کے لیے تحفہ گجرات اور دیگر حضرت مرشد الامتؒ کے وہ سفرنامے جو تعمیر حیات میں شائع ہوئے ہیں، اس میں ان دعوتی اسفار کی تفصیلات مل سکتی ہیں۔

اوصاف وامتیازات:

ابّاؒ بہت سی خصوصیتوں اور صلاحیتوں اور امتیازات کے مالک تھے، لیکن اخفاء حال اور تواضع میں بالکل یکتا تھے، قرآن کریم کی تلاوت فرماتے تھے، کبھی ناغہ نہیں کرتے، یہاں تک کہ آخری وقت تک پابندی کی، جب تک صحت رہی مسجد میں نماز باجماعت ادا کرتے تھے اور آپ ہاں صدقہ کا اور ہدیہ دینے کا خاص اہتمام تھا، جب تکیہ کلاں گھر تشریف لاتے تو غریبوں کو صدقہ دینے کے لیے گھر میں صاحب زادیوں کو صدقہ کی رقم دیتے تھے، وہ غریبوں کو صدقہ دیں، تواضع کی خصوصیت آپؒ کے اندر بہت زیادہ تھی، آپؒ تواضع وللّٰہیت وفنائیت کے عملی پیکر تھے، آپؒ انتہائی منکسر المزاج اور حیا وسادگی کے پیکر تھے، استغنا وبے نفسی تو آپ کی فطرت وطبیعت کا حصہ بنی ہوئی تھی، خاموش طبیعت گر ہر وقت فکر وتدبر اور امت کی فکر میں ڈوبا ہوا ذہن، ذکر وعبادت اور لکھنے

پڑھنے کا ذوق اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے عشق اور آنحضرت ﷺ کے محبوب صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی سچی محبت سے معمور تھا، یہی وہ چیز تھی جس نے ابّاؒ کو متواضع، حلم وبردباری کا پیکر بنایا اور اپنے دونوں ماموں حضرت مولانا ڈاکٹر عبد العلی حسنیؒ اور مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابو الحسن علی حسنی ندویؒ کی زندگی کو اپنے لیے نمونہ بنایا، وہ اعلیٰ اسلامی محاسن واوصاف سے متصف تھے، ابّاؒ اپنی رائے میں اصابت وصلاحیت رکھتے تھے، لیکن اپنے بڑوں کی رائے کے سامنے اپنی رائے دبا لیتے تھے، اصول پسند تھے، نظم وانضباط کے پابند تھے، جو کام بھی کرتے تھے اللہ کے لیے کرتے تھے، اللہ نے آپؒ کو اسلام اور مسلمانوں کا درد رکھنے والا دل اور آپؒ کی باتوں میں بڑا اثر رکھا تھا، خاندان میں مقبول ومتفق علیہ شخصیت تھے اور خاندان سے باہر بھی وہ محبوب ومتفق علیہ شخصیت تھے، وہ آپ اپنی ذات میں ایک انجمن تھے، سنن نبویہ ﷺ کا عملی پیکر تھے، انداز تربیت اور طور وطریق بڑا خیر خواہانہ ہوتا تھا، ابّاؒ کی تحریر بھی زوردار تھی اور آپ کا وعظ ونصیحت بھی بڑی اثر انداز تھی، مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابو الحسن علی حسنی ندویؒ کی نیابت ان کی زندگی میں کرنے لگے تھے اور بعد میں ان کے خلیفہ وجانشین ہوکر جانشینی کا مکمل حق ادا کیا، یہ تمام وہ خصوصیات وامتیازات وخصائل ونمونہ اخلاق ہیں جو تادم آپ کی پہچان بنے رہے۔

افراد خاندان واولاد کی تربیت اور صلہ رحمی:

ابّاؒ صلہ رحمی میں بے مثال تھے، آپ کی نظیر اس دور میں ملنی مشکل ہے، جب آپ دہلی جاتے یا کسی بھی شہر جاتے، اگر آپ کو معلوم ہوتا کوئی رشتہ دار رہتے ہیں، چاہیں قریب کی رشتہ داری ہو یا دور کی، ان سے ملنے کا اہتمام فرماتے اور کوئی ہدیہ پیش فرماتے، ایسے ہی اگر رشتہ داروں میں کوئی بیمار ہوتا اور آپ کو معلوم ہوتا تو آپ عیادت کے لیے تشریف لے جاتے اور مزاج پرسی فرماتے اور تکیہ کلاں میں مقیم اپنی صاحبزادیوں سے ملنے ہر جمعرات کو تشریف لے جاتے، یہ اس وقت تک رہا جب تک صحت رہی، ورنہ مہینے دو مہینے میں تشریف لے جاتے اور ایک صاحب زادی لکھنؤ خاتون منزل میں رہتی ہیں، ان سے ملنے گھر تشریف لایا کرتے تھے، ابّا ماموں جان حضرت مولانا سید بلال عبد الحی حسنی ندوی مدظلہ العالی کو بہت چاہتے تھے، جب ماموں جان مدظلہ ابّاؒ کے پاس تشریف لے جاتے اور ابّا ماموں جان مدظلہ کو دیکھتے تو بہت خوش ہوجاتے تھے، لگتا تھا صحت اچھی ہوگئی ہو، ماموں جی حضرت مولانا جعفر مسعود حسنی مدظلہ العالی جب ابّاؒ کے پاس پہنچتے، اتنے خوش ہوتے تھے جیسے ابّاؒ صحت مند ہوگئے اور ماموں جی سے باتیں کرتے، ان کی خیریت پوچھتے، ماموں جی مدظلہ بلا ناغہ ابّاؒ کے پاس روز جاتے تھے، وہیں رکتے تھے، خاندان کا کوئی فرد چلا جاتا تو ابّاؒ اس فرد سے خوش ہوتے اور خیریت پوچھتے، ہدیہ دیتے، بچوں پر بہت شفقی تے، مولوی خلیل حسنی، مولوی امین حسنی، مولوی سعید حسنی، مولوی عبد الحی حسنی، مولوی محمد میاں حسنی جب ابا کے پاس جاتے اور کئی دن ابّاؒ کے پاس رکتے تو ابّاؒ ان سب سے بہت خوش ہوتے، خوب دعائیں دیتے، کیونکہ ابّاؒ اپنے تمام نواسوں ونواسیوں سے محبت کرتے تھے اور ان سب کو نصیحت فرماتے تھے، ایسے ہی حضرت مولانا محمد ثانی حسنیؒ کے تمام نواسوں مولانا محمود حسن حسنی ندویؒ، مولانا مفتی مسعود حسن حسنی مدظلہ العالی اور مولانا سید منصور حسن حسنی مدظلہ العالی سے بھی محبت فرماتے تھے اور ان سب کا بڑا خیال فرماتے تھے، وہ سب بھی ابّاؒ پر فدا تھے اور خدمت کرتے تھے، ایسے ہی ماموں جان مدظلہ العالی کے صاحب زادگان مولوی عبد العلی حسنی وسید ابو الحسن حسنی ابّاؒ کے پاس جاتے تو ابّاؒ ان دونوں سے خوش ہوتے اور دعائیں دیتے، کئی مرتبہ سید ابو الحسن سے ابّاؒ نے حمد ونعت سنی۔

کچھ یادیں:

ہم اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ ہم کو اس نے ایسا چاہنے والا مشفق نانا عطا فرمایا، جس نے ہمارے لیے دنیا کے مقابلہ میں دین کو پسند کیا اور فکر کی کہ میں کسی مدرسہ میں تدریسی کام میں لگ جاؤں، اس کے لیے جب بھی ابّاؒ کی خدمت میں جاتا یا ابّاؒ گھر اپنی بیٹی سے ملنے تشریف لاتے اور ہم سامنے نظر آتے تو ابّاؒ یہی پوچھتے کیا تم نے پڑھانا شروع کیا؟ یہاں تک کہ جب استاد ہوگیا تو

ابّا اتنے خوش ہوئے اور دعائیں دینے لگے اور محبت میں اضافہ ہوگیا اور ہم ابّا سے ذکر کرتے تھے، ہم یہ کتابیں پڑھا رہے ہیں اور ہم نے سیرت نبوی پر لکھی کتاب ''رحمت عالم'' کے سوال جواب تیار کرکے ابّا کو دکھائے تو ابا نے اس کاپی کو دیکھا، اس میں اضافہ فرمایا اور ابّا ہم پر بہت شفقتیں فرمایا کرتے تھے، جب بھی ندوہ میں ابّا کی خدمت میں جاتا تو ابّا خوش ہوکر مسکراتے اور خیریت پوچھتے اور فرماتے: کیا کر رہے ہو؟ تو میں عرض کرتا کہ صبح مدرسہ جاتا ہوں اور ایک بجے آتا ہوں، ابّا میرے پیارے والدؒ کو بہت چاہتے تھے، والد کو ابّا سے ایسا تعلق تھا کہ ان سے ملنے جاتے تو رونے لگتے اور دعا کی درخواست کرتے، حضرت ابّا حوصلہ دیتے اور صبر کے فضائل سناتے، حضرت ابّا جب بھی والدؒ کی عیادت کو جاتے تو والدؒ کی صحت بحال ہوجاتی، ابّا نے والدؒ کو اجازت بیعت سے سرفراز فرمایا تھا، جب والدؒ کا انتقال ہوتا ہے تو ہم اور ہمارے چھوٹے بھائی مولوی سعید احمد حسنی ندوی ابّا کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں، قربان جایئے ابّا کے صبر پر، ہم دونوں کے سر پر ہاتھ رکھتے ہیں، فرماتے ہیں: حمزہ اللہ کی امانت تھے، اس نے واپس لے لی اور تسلی دیتے تھے، صبر کا حوصلہ پیدا کرتے تھے، ابّا کی محبت وشفقت ہم سب کے دل ودماغ پر ایسی نقش ہوتی کہ وفات کے بعد آج بھی ابّا کے نقوش تازہ ہیں اور خوب یاد آتے ہیں، ابّا پورے خاندان کے سرپرست ومربی ومرشد تھے۔

مشائخ عصر سے ملاقات:

جانشین مفکر اسلام مرشد الامت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندویؒ نے ۱۹۴۱ء میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی لکھنؤ کی مجالس میں اپنے دونوں ماموں کے ساتھ حاضری دی، ۱۹۴۳ء میں حضرت مرشد الامتؒ نے حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ سے ملاقات اور ان کی خدمت میں ایک ہفتہ رہے، ابّا نے ۱۹۴۶ء میں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ سے ملاقات کی، ابّا نے شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی سے آٹھ یا نو سال کی عمر میں لکھنؤ میں ملاقات کی، پھر جب دیوبند تعلیم کے لیے گئے تو وہاں حضرت شیخ الاسلام کی خدمت میں رہے، ابّا نے ۱۹۴۸ء میں قطب الارشاد حضرت مولانا عبد القادر رائے پوریؒ سے ملاقات کی، ابّا نے امام اہل سنت مولانا عبد الشکور فاروقیؒ سے ملاقات کی، حضرت شاہ محمد یعقوب مجددیؒ سے ابّا نے ملاقات کی اور دعا لی، ابّا نے مصلح الامت حضرت شاہ وصی اللہ الہ آبادیؒ سے ملاقات کی اور دعا لی، حضرت صوفی عبد الرب اناویؒ سے ملاقات کی اور دعا لی، ابا نے عارف باللہ حضرت مولانا شاہ محمد احمد پرتاب گڑھی سے ملاقات وزیارت کی اور دعا لی، ابّا نے حضرت مولانا اسعد اللہ صاحبؒ سے ملاقات کی اور دعائیں لیں، ابّا نے حضرت مولانا سید بدر عالم میرٹھی مہاجر مدنی مصنف ''ترجمان السنہ'' سے ملاقات کی، ایسے ہی حضرت مولانا عبد الغفور نقش بندی مہاجر مدنیؒ سے ملاقات کی، علمائے عرب میں علامہ ابن باز، علامہ عبد اللہ بن حمید، شیخ امین شنقیطی، محدث حرم سید علوی مالکی، محدث حرم مدنی شیخ محمد علی الحرکان، امام حرم شیخ عبد اللہ خیاط، امام حرم شیخ محمد بن عبد اللہ السبیل، امام حرم مسجد نبوی شیخ عبد اللہ عبد العزیز الصالح، ابّا نے ملاقات کی، ایسے ہی اعیان عرب میں شیخ صالح قزاز، استاد علی حسن، شیخ احمد محمد جمال، سید محسن باروم، عبد المقصود خوجہ، ڈاکٹر عبد اللہ عمر نصیف بن ابراہیم آل الشیخ سے ملاقات کی اور احمد عبد الغفور عبد القدوس انصاری، سعید العامودی سے ملاقات کی۔

ابّا نے حضرت محیی السنہ مولانا شاہ ابرار الحق ہردوئیؒ سے ملاقات کی اور دعا لی۔

اجازت وخلافت:

جانشین مفکر اسلام مرشد الامت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندویؒ نے قطب الاقطاب حضرت مولانا شاہ عبد القادر رائے پوریؒ نے آپ کو ذکر واذکار تلقین فرمائے اور ہدایات دیں، حضرت رائے پوریؒ نے فرمایا: تمہارا سلوک یہ ہے کہ علی میاں کے ساتھ لگے رہو اور حضرت مولانا شاہ عبد القادر رائے پوریؒ کے مشورہ سے مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابو الحسن علی حسنی ندویؒ سے پورے طور پر مرتبط ہوگئے

اور مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ سے تجدید بیعت کی اور آپ سے پورے طور پر مرتبط ہوگئے اور کوئی کام ان کے انشراح کے بغیر نہیں کیا اور بیرونی اسفار میں بطور رفیق وخادم ساتھ رہے، اوراد ووظائف، اذکار واشغال کے پابند تھے، ذکر جہری وذکر قلبی کا اہتمام کرتے تھے، حضرت مرشد الامتؒ حضرت مفکر اسلامؒ کی خدمت میں رہتے تھے، یکم مئی ۱۹۹۹ء میں شیخ طریقت برکۃ العصر مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ نے اپنے تمام سلسلوں وسلاسل اربعہ؛ قادریہ، نقشبندیہ، چشتیہ، سہروردیہ، مجددیہ، وسلسلہ وطریقہ محمدیہ، سلسلہ امیر المومنین حضرت سید احمد شہید حسنیؒ میں شیخ طریقت جانشین مفکر اسلام مرشد الامت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندویؒ کو اجازت بیعت وخلافت سے سرفراز فرمایا، حضرت مفکر اسلامؒ کا حضرت مرشد الامتؒ پر اعتماد کلی رہا ہے اور آپ کو بہت چاہتے تھے اور اپنا سب سے زیادہ مقرب خاص ومعتمد علیہ سمجھتے تھے، مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابو الحسن علی حسنی ندویؒ کی وفات کے بعد حضرت مفکر اسلامؒ کے تمام خلفاء ومریدین اور سبھی حلقوں نے مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابو الحسن علی حسنی ندویؒ کا بالاتفاق جانشین تسلیم کیا اور دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے مہمان خانہ میں بعد نماز عشا حضرت مرشد الامتؒ کی مجلس ہوتی تھی اور رمضان لمبارک میں پورے مہینے تکیہ کلاں رائے بریلی میں تشریف فرما ہوتے تے اور دائرہ حضرت شاہ علم اللہ حسنی تکیہ کلاں رائے بریلی میں خانقاہ حضرت سید احمد شہید لگتی اور سینکڑوں لوگ آتے، کچھ دن ٹھہرتے اور حضرت مرشد الامتؒ سے استفادہ کرتے اور رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں حضرت مرشد الامتؒ اعتکاف فرماتے تھے، جب تک صحت تھی اعتکاف کرتے تھے، وفات سے کچھ سال پہلے تک رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں لوگوں کی تعداد ہزاروں تک پہنچ جاتی تھی اور حضرت مرشد الامت بیان فرماتے تھے اور بعد نماز عشا بعد تراویح خصوصی مجلس ہوتی تھی، جس میں حضرت مرشد الامتؒ اصلاحی نصیحت کرتے تھے اور اصلاحی دینی واقعات بیان بھی فرماتے تھے، وہ سب انشاء اللہ جلد از جلد کتابی صورت میں شائع ہوگا، جانشین مفکر اسلام مرشد الامت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندویؒ نے ۵۷/خوش نصیب لوگوں کو اپنے تمام سلسلوں سے اجازت بیعت عطا فرمائی تھی، ان سب کے نام ایک کتابچہ (غیر مطبوعہ) کی شکل میں درج کردیے گئے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا ہے کہ تمام خلفائے مرشد الامت کو حضرت مرشد الامتؒ کے سلسلہ محمدیہ وسلاسل اربعہ کو عام کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین! اور دین اسلام کی نشر واشاعت میں لگیں اور سنت رسول ﷺ کو عام کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

وفات:

جانشین مفکر اسلام مرشد الامت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندویؒ کی طبیعت خراب ہوئی اور بخار ہوگیا تھا، سینہ میں جکڑن ہونے لگی تھی، اس کی وجہ سے آپ کو لکھنؤ لے جایا گیا اور مہمان خانے میں ڈاکٹروں نے چیک اپ کیا اور دوائیں دیں، تو طبیعت بہتر ہوگئی، لیکن جب دوا نہ کھاتے تو بخار چڑھ جاتا تھا اور دوا کھا لیتے تو بخار کم ہوجاتا، لیکن بخار رہتا، اسی طرح کچھ ایسے ہی چلا، کبھی بخار اترتا، کبھی چڑھ جاتا، بروز جمعرات ۲۱/رمضان المبارک ۱۴۴۴ھ مطابق ۱۳/اپریل ۲۰۲۳ء کو مہمان خانہ ندوۃ العلماء میں داعی اجل کو لبیک کہا اور اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کی مسجد میں پہلی نماز جنازہ حضرت مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی دامت برکاتہم نے لاکھوں لوگوں کو پڑھائی، پھر اس کے بعد دوسری نماز جنازہ تکیہ کلاں رائے بریلی میں بروز جمعہ ۲۲/رمضان المبارک کو صبح آٹھ بجے جانشین مرشد الامت حضرت مولانا سید بلال عبد الحی حسنی ندوی دامت برکاتہم نے پڑھائی اور مسجد شاہ علم اللہ کے شمالی جانب اپنے نواسہ مولانا محمود حسن حسنی ندویؒ کے قریب مدفون ہوئے، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمارے حضرت کو جنت الفردوس میں بلند درجات عطا فرمائے۔ آمین! رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ.

کچھ اہم و مفید مطبوعات

ازحضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ:

کاروانِ زندگی حصہ اول	260
کاروانِ زندگی حصہ دوم	350
کاروانِ زندگی حصہ سوم	220
کاروانِ زندگی حصہ چہارم	350
کاروانِ زندگی حصہ پنجم	200
کاروانِ زندگی حصہ ششم	240
کاروانِ زندگی حصہ ہفتم (مع ضمیمہ)	275
کاروانِ زندگی مکمل سیٹ	~~1895~~ 150
مطالعہ قرآن کے اصول ومبادی	300
ارکان اربعہ	100
خواتین اور دین کی خدمت	150
کاروان ایمان وعزیمت	40
دعائیں	300
سوانح مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ	280
سوانح مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ	450
نبی رحمت (ﷺ)	800
سیرت سید احمد شہیدؒ (دوجلدیں)	1650
تاریخ دعوت وعزیمت (پانچ جلدیں)	280
انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر	80
اپنے گھر سے بیت اللہ تک	90
اصلاحیات	70
تذکرہ مولانا ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنیؒ	

ازحضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی:

رہبر انسانیت	450
قرآن مجید انسانی زندگی کا رہبر کامل	260
دو مہینے امریکا میں	300
جزیرۃ العرب	250
حج ومقامات حج	90
امت مسلمہ رہبر اور مثالی امت	110
سماج کی تعلیم وتربیت	130
یادوں کے چراغ	250

ازحضرت سید مولانا محمد ثانی حسنیؒ:

سوانح مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ	300
مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ	40
زبان کی نیکیاں	.....
مجدد الف ثانیؒ	10
گلدستہ حمد وسلام	15
خانوادۂ علم اللّٰہی	250
میزاب رحمت	150
سوانح مولانا سید محمد الحسنیؒ	250

ازمولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی:

تذکرہ صحابیاتؓ	140
تذکرہ حضرت سید احمد شہیدؒ	150
مکتوبات مولانا ابوالحسن علی ندویؒ (اول)	250
مکتوبات مولانا ابوالحسن علی ندویؒ (دوم)	350
// // (سوم)	300
// // (چہارم)	400
// // (پنجم)	350
سیرت امہات المؤمنینؓ	140

ازمولانا سید محمد الحسنیؒ:

تذکرہ حضرت سید شاہ علم اللہؒ	150

ازمحترمہ امۃ اللہ تسنیم مرحومہ:

زادسفر مکمل	620
باب کرم	12
بچوں کی قصص الانبیاء (اول)	80
بچوں کی قصص الانبیاء (دوم)	70
بچوں کی قصص الانبیاء (سوم)	80
بچوں کی قصص الانبیاء (چہارم)	60
ہمارے حضور (ﷺ) (اردو)	80
ہمارے حضور (ﷺ) (ہندی)	80
مناجات ہاتف	20
دیار حبیب (ﷺ)	5

ازمحدومہ خیر النساء بہترؒ:

حسن معاشرت	65
کلید باب رحمت	25
ذائقہ	70
ذکر خیر	80

ازمولانا حکیم سید عبدالحی حسنیؒ:

تعلیم الاسلام	60
نورالایمان	18

ازمولانا ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنیؒ:

نماز سمجھ کر پڑھیے	25

ازمولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی:

نظام تعلیم وتربیت	100
محسن انسانیتؐ	60

ازدیگر مصنفین:

بشریت انبیاء (مولانا عبدالماجد دریابادیؒ)	90
سیرت صدیقؓ (مولانا حبیب الرحمٰن شیروانیؒ)	.....
عربی میں نعتیہ کلام (ڈاکٹر عبداللہ عباس ندویؒ)	150
امت مسلمہ کی مائیں (مولانا عاشق الٰہی بلند شہریؒ)	80
رسولؐ کی صاحبزادیاں (مولانا عاشق الٰہی بلند شہریؒ)	50
اعمال قرآنی (مولانا اشرف علی تھانویؒ)	30
مثالی حکمراں (مولانا عبدالسلام قدوائیؒ)	50
عربی زبان کے دس سبق //	20
خلافت راشدہ (مولانا غلام رسول مہرؒ)	40
خلافت بنی امیہ //	45
خلافت عباسیہ //	28
بہشتی ثمر (اول) (مولانا عیسیٰ صاحبؒ)	80
بہشتی ثمر (دوم) //	45
تعلیم القرآن (مولانا اویس نگرامی ندویؒ)	90
بکھرے موتی (مولانا نیاز احمد بستویؒ)	25
کتاب النحو (حافظ عبدالرحمٰن امرتسریؒ)	80
کتاب الصرف (حافظ عبدالرحمٰن امرتسریؒ)	70
ہدایۃ النحو (سراج الدین عثمانی اودھی)	75
کلیلہ ودمنہ	90

مکتبہ اسلام رؤف مارکیٹ، گوئن روڈ، لکھنؤ ۱۸ Mobile: 9453949221

Postal Regd. No. LW/NP-184/2024-26 R. N. 2416/57
Posting Date: 02,03 Publish Date 2nd Week of the Month (Pages.44)
Dispatch P.O. R,M,S, Charbagh Lucknow
Monthly

RIZWAN

Rs. 30
172/54 Mohammad Ali Lane Gwynne Road Lucknow. Pin.226018
Mob: 9415911511

July 23 - Jan 24

کفزال

ہر قسم کی کھانسی نزلہ زکام میں بیحد مفید

ہر قسم کی کھانسی، نزلہ، زکام، گلے کی خراش اور نزلہ سے سر درد و بدن درد میں مفید ہے

کبدون

جگر اور پتہ کی خرابیوں کو دور کرنے والا بے نظیر سیرپ

- پیلیا، جگر اور
- پتہ کے ورم،
- کمزوری، درد اور
- پتھری کا بے نظیر سیرپ

زوزامین

فساد خون اور جلدی امراض کا سیرپ

- فساد خون، مہاسے، پیتی
- پھوڑے، پھنسی اور
- خارش کو ٹھیک کرتی ہے اور
- چہرے پر نکھار لاتی ہے۔

شکر

شوگر کی کامیاب ترین دوا

- قدرتی جڑی بوٹیوں سے تیار شدہ دوا۔
- پیشاب سے شکر کو ختم کر کے خون میں شکر کو کنٹرول رکھتی ہے۔

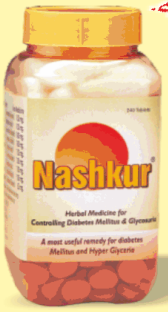

بطینا

قبض اور گیس کی کامیاب دوا

- قبض، گیس، بھوک نہ لگنا۔
- جلن، گرانی اور دیگر خرابیوں کیلئے
- بیحد مفید چورن۔

استعمال کریں، آرام پائیں۔

انڈامول

گہرے زخم پھوڑوں کا لاجواب مرہم

گہرے زخم ناسور، بیڈسور، پھوڑے خصوصاً کاربنکل پھوڑوں کا جلد اثر کرنے والا مرہم

برنیسال

برنیسال کے تین اہم فوائد

۱۔ سوزش اور جلن میں فوراً ٹھنڈک پہنچائے۔
۲۔ زخم کو جلدی ٹھیک کرے، نشان نہ پڑنے دے۔
۳۔ ہر طرح کے مضر اثرات سے پاک ہے۔

لیکوڈین

لیکوریا و جریان میں بیحد مؤثر

لیکوریا میں بے حد مفید، رحم کی فاسد رطوبت کو خشک کر کے طاقت دیتا ہے۔ قوت باہ میں اضافہ کرتا ہے، سرعت انزال اور کثرت احتلام و جریان میں بے حد مؤثر و مفید ہے

صبا کا آملہ

بالوں کا بہترین محافظ

دماغ کو چست بناتا ہے، بالوں کی جڑوں کو مضبوط کر کے بالوں کو کالا اور گھنا بناتا ہے

صبا کاہیر آئیل

دماغ اور بالوں کا انمول ہیر ٹانک

سر درد، ذہنی تھکاوٹ دور کر کے دماغ کو چست اور قوت حافظہ کو بڑھاتا ہے بالوں کی جڑوں کو مضبوط کر کے بالوں کو کالا گھنا اور چمکدار بناتا ہے۔

HASANI PHARMACY

177/41 GWYNNE ROAD, LUCKNOW-226 018 (India)
Mob: 9415105047,9415028675,9838023223
Ph: 0522-2202677 E-Mail:hasanipharmacy@gmail.com